انڈو یجوئل لینڈ

انفرادی آزادی کے لئے کوشاں

علاقائی صحافت : صارف کا نقطہ نظر

تعاون

فریڈرک نومین فاؤنڈیشن فار فریڈم

علاقائی صحافت : صارف کا نقطہ نظر

مدیر اعلیٰ: گلمینہ بلال احمد

محققین: ذوالفقار حیدر، اویس محمود، سندس سیدہ، ریحان علی

کوارڈینیشن: شوکت علی اشرف، سید فہد الحسن

مصنف اس تحقیق کیلئے مالی امداد فراہم کرنے پر فریڈرک نومین فاؤنڈیشن فار فریڈم کا شکر گزار ہے۔ ارشاد مستوئی سینئر صحافی، شمیم شاہد سینئر صحافی اور ظہور دھریجہ سینئر صحافی کے بے حد مشکور ہیں۔ ان کی معاونت کے بغیر اس کتاب کی اشاعت ناممکن تھی۔ تمام تر اعانت کے باوجود مدیر اعلیٰ کسی بھی قسم کی سہو کی ذمہ داری قبول کرتی ہے۔

انڈویجوئل لینڈ

مکان نمبر ۱۲-بی، سٹریٹ نمبر ۲۶

ایف ۱/۸، اسلام آباد، پاکستان

ٹیلی فون نمبر: +۹۲ ۵۱ ۲ ۲۵ ۳۴ ۳۷ ، ۲ ۲۵ ۳۴ ۳۸

ای میل: info@individualland.com

ویب سائٹ: www.individualland.com

تعاون:

فریڈرک نومین فاؤنڈیشن فار فریڈم

پوسٹ بکس نمبر ۱۷۳۳

اسلام آباد، پاکستان

ٹیلی فون نمبر: +۹۲ ۵۱ ۲ ۲۷ ۸۸ ۹۶ ، ۲ ۸۲ ۰۸ ۹۶

فیکس: +۹۲ ۵۱ ۲ ۲۷ ۹۹ ۱۵

ای میل: pakistan@fnst.org

ویب سائٹ: www.southasia.fnst.org

آئی ایس بی این: ۹۷۸-۹۶۹-۹۵۸۲-۲۰-۲

تعداد اشاعت: ۱۰۰۰

اسلام آباد: ۲۰۱۲ء

فہرست

تعارفی اداریہ ۱

بلوچستان میں بلوچی و براہوی صحافت کا مختصر جائزہ ۵

بلوچستان میں اخبارات کی تاریخ ۶

موجودہ دور میں صحافت ۹

براہوی زبان ۱۲

براہوی زبان میں صحافت کی تاریخ ۱۳

بلوچستان میں تنازعات اور صحافت ۱۵

پشتو پریس کی تاریخ اور موجودہ اخبارات اور رسالے ۱۹

رسمی پشتو، پریس پشتو، اخبارات اور رسالے ۲۰

افغانستان میں پشتو پریس ۲۵

الیکٹرانک میڈیا ۲۶

امریکہ اور روس کی جنگ ۲۷

بعد از ۹/۱۱ ..... ۲۷

ٹیلی ویژن ۲۷

اختتامیہ ۲۸

سرائیکی صحافت ۔ حاصل مطالعہ ۳۰

سرائیکی علاقے میں صحافت کی تاریخ ۳۱

سرائیکی صحافت ۔ درپیش مسائل ۳۴

مسئلے کا حل کیا ہے؟ ۳۵

سرائیکی اور دوسرے چھوٹے اخبارات کی بقاء ۳۶

تعارفی اداریہ

آج کے جدید دور میں کوئی بھی قوم ایک آزاد اور خودمختار میڈیا کے بغیر ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتی۔ دنیا میں اطلاعات اور علوم دن بدن ترقی کر رہے ہیں۔ انسانی سوچ ترقی کی منازل طے کرتے کرتے بہت وسیع ہو چکی ہے۔ ہر شخص اس بات پر متفق ہوگا کہ میڈیا کو آزاد اور خودمختار ہونا چاہیے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ نامہ نگاری میں غیر جانبداری اور ذمہ داری کا مظاہرہ کیا جائے۔ فرم اسی کا نام ہے یعنی کہ آزاد، خودمختار اور ذمہ دار میڈیا۔

ہمارے خیال میں فرم ایک موضوں جمہوری نظام کے لیے ضروری ہے۔ یہ صرف جمہوریت کو پھلنے پھولنے میں مدد نہیں دیتا بلکہ حکومتی امور پر تنقیدی نگاہ رکھتا ہے تا کہ حکومت ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اپنے امور کی جوابدہ رہے۔ فرم، بہترین امیدوار چننے اور نامہ نگاری میں غیر جانبداری اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرنے میں مدد کر سکتی ہے۔ فرم اسی کوشش کا نام ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ صحافت کو پیش آنے والے اندرونی اور بیرونی معاملات پر توجہ مرکوز کرانا۔

پاکستان میں سب سے زیادہ بولی، سمجھی اور پڑھی جانے والی زبان اردو ہے۔ اردو زبان کے اخبارات، خبروں کے ساتھ ساتھ رائے کے اظہار کا بھی اہم ذریعہ سمجھے جاتے ہیں۔ اردو کے اخبارات اور کتابیں جو کہ ملک کی آزادی کے وقت سے کام کر رہی ہیں، پاکستان میں ایک بڑے پیمانے پر پڑھی جاتی ہیں۔ اردو کے اخبارات کے علاوہ پاکستان میں انگریزی کے اخبارات بھی شائع ہوتے ہیں لیکن ہمارے ملک کی اکثریت انگریزی زبان سے ناواقف ہے جس کی وجہ سے انگریزی اخبارات سے ایک مخصوص طبقہ ہی مستفید ہوتا ہے۔ انگریزی اور اردو کے علاوہ ہمارے ملک میں بہت سی علاقائی اور صوبائی زبانیں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہیں، جیسا کہ بلوچی، پشتو، سرائیکی، سندھی اور براہوی۔ تاہم انڈو یورپین لینڈ نے علاقائی اور صوبائی زبانوں کے اخباروں پر توجہ مرکوز کرنے کا فیصلہ کیا جو کہ ان زبانوں میں شائع ہوتے ہیں تا کہ ان کو درپیش مسائل کو اجاگر کیا جا سکے۔

بلوچستان کا صوبہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا ہے، بلوچستان میں صحافت کا آغاز ۱۸۸۸ء میں ہوا لیکن پھر بھی بلوچستان کبھی بھی صحافت کے لئے ایک موضوں علاقہ تصور نہیں کیا جاتا اور گزشتہ چند سالوں میں کچھ صحافیوں نے رپورٹنگ کے دوران اپنی جان کی قربانی دی، یہی وجہ ہے کہ بلوچستان کو صحافت کے اعتبار سے بدترین علاقہ تصور کیا جانے لگا ہے۔ بلوچستان کی صحافت کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے ہم نے بلوچستان ہی کے ایک صحافی ارشاد مستوئی صاحب سے رابطہ کیا جنہوں نے ہمیں بلوچستان کی صحافت کی تاریخ کے بارے میں جاننے اور موجودہ بلوچی اخبارات کا موازنہ کرنے میں مدد فراہم کی۔ الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا نے بھی بلوچستان کے مسائل اور خبروں کو اجاگر کرنے میں کوئی خاص توجہ مرکوز نہیں رکھی۔ اگر یہ صرف اردو اور انگریزی اخبارات تک کی بات ہو تو بھی الگ بات ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ بلوچستان کا مقامی میڈیا بھی بلوچستان کے مسائل اور وہاں کے لوگوں کے مسائل کو اجاگر نہیں کر رہا۔ مثال کے طور پر اگر ملک میں بجٹ پیش کیا جاتا ہے تو تمام اخبارات کے ساتھ ساتھ بلوچستان کے اخبارات میں بھی شہ سرخیاں بجٹ کے حوالے سے ہی ہوتی ہیں اور بلوچستان میں پیش آنے والا کوئی واقعہ

بھی اخبارات کی اشاعت نہیں بنتا اور اگر بنتا ہے تو اس کی اہمیت کو اجاگر نہیں کیا جاتا۔

اگر ہم اپنی ایک اور صوبائی زبان پشتو میں صحافت کے بارے میں بات کریں تو ہم شمیم شاہد صاحب کے مشکور ہیں جنہوں نے اس سلسلے میں ہماری مدد کی۔اس زبان کی تاریخ ۸۰۰۰ سال سے بھی زیادہ پرانی ہے اس کے علاوہ اسکی تحریروں، شاعری اور ادب کے ثبوت ۱۳۹ ہجری میں بھی ملتے ہیں اگر ہم پشتو اور بلوچی صحافت کا موازنہ کریں تو پشتو زبان کے ہمیں زیادہ اخبارات ملتے ہیں بہت سے ادوار میں اخبارات، روزنامے، ماہنامے اور سالانہ میگزین کی بھی اشاعت ہوتی رہی جو کہ وقت کے ساتھ وسائل کی کمی کی وجہ سے ماضی کا حصہ بن چکے ہیں۔پشتو اخبارات کی تعداد اس وجہ سے بھی زیادہ ہے کیونکہ پشتو زبان افغانستان میں بھی بولی، پڑھی اور سمجھی جاتی ہے۔

اگر ہم سندھی زبان میں شائع ہونے والے اخبارات اور ان کی تعداد کی طرف دیکھیں تو دوسری علاقائی زبانوں کی نسبت سندھی اخبارات پڑھے جانے کا رجحان زیادہ ملتا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ سندھی زبان سندھ میں بنیادی تعلیمی نصاب کا حصہ ہے جبکہ یہ اہمیت باقی زبانوں کو حاصل نہیں۔سندھی میڈیا کے حوالے سے انڈ ویجوئل لینڈ پاکستان نے بھی ایک کتاب (سندھی میڈیا ایک صارف کی نقطہ نظر سے) کے عنوان پر دسمبر ۲۰۱۱ء میں شائع کی۔اس کتاب میں صارف کے نقطہ نظر سے سندھی میڈیا کا تجزیہ کیا گیا ہے جس میں آزادانہ، خودمختار اور ذمہ دارانہ صحافت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اگر ہم سرائیکی زبان کا مطالعہ کریں جس کو سندھی زبان کی بہن کہا جاتا ہے بدقسمتی سے یہ زبان صحافت کے لحاظ سے اتنی اہمیت حاصل نہیں کر سکی جتنی کہ سندھی زبان نے کی ہے۔سرائیکی اخبارات کی اشاعت اور ان کے پڑھے جانے والوں کی تعداد میں کمی کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آج کے دور میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا ہے اور یہ لوگ اردو اور انگریزی اخبارات پڑھ سکتے ہیں باقی زبانوں کی طرح اس زبان میں بھی بہت سے اخبارات، ماہنامے اور سالانہ میگزین شائع ہوتے رہے اور تنزلی کا شکار ہوتے چلے گئے ۔اب سرائیکی زبان میں شائع ہونے والا واحد اخبار "جھوک" اپنی اشاعت جاری رکھے ہوئے ہے۔

ہمارے ملک کی وہ پڑھی لکھی آبادی جو کہ اخبارات سے مستفید ہو رہی ہے ان کے لئے انگریزی اور اردو کے علاوہ اور علاقائی زبانوں میں بھی بہت سے اخبارات شائع ہو رہے ہیں۔وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے اخبارات تنزلی کا شکار بھی ہوئے اور ماضی کا حصہ بن گئے۔آج کے دور کے اخبارات میں اشتہارات کی بھرمار کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اخبارات کو چلانے کے لئے ان کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔تمام تر صورتحال کے باوجود بھی ہمارے ملک میں اخبارات کی ایک بڑی تعداد جیسا کہ روزنامہ جسارت، سہارا، سیاست اور اسی طرح کے چھوٹے اخبارات پر مشتمل ہے۔ایسے اخبارات بڑے مراکز کے علاوہ چھوٹے شہروں سے شائع ہوتے ہیں اور عام طور پر کم افرادی قوت کے حامل ہوتے ہیں۔چھوٹے اخبارات مقامی عوام کی آواز کو سامنے لانے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں مگر ان اخبارات میں پیشہ ورانہ عملے کی کمی کی وجہ سے یہ اخبارات اپنے علاقے کی عکاسی کرنے میں ناکام ہیں اور اپنے علاقے کی عوام کی توقعات پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے مالی و دیگر مسائل کا شکار ہیں۔ان اخبارات کو حکومت اور نجی سیکٹر کی جانب سے اشتہارات نہیں ملتے۔سرکولیشن نہ ہونے اور مالی مسائل کی وجہ سے یہ اخبارات دن بدن بحران کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔لیکن اگر کچھ تجاویز پر غور کیا

جائے اورانہیں اپنالیا جائے تو یہ چھوٹے اخبارات بھی مالی طور پر مستحکم ہو سکتے ہیں اورعوام میں مقبولیت بھی حاصل کر سکتے ہیں۔مندرجہ بالا مقاصد حاصل کرنے کے لئے چھوٹے اخبارات مندرجہ ذیل تدابیر اختیار کر سکتے ہیں۔

چھوٹے اخبارات ہمیشہ بڑے اخبارات کی پیروی کرتے ہیں مگر بڑے اخبارات جیسے وسائل نہ ہونے کی وجہ سے ان کا مقابلہ نہیں کر پاتے اس طرح یہ اخبارات نہ ہی بڑے اخبارات بن پاتے ہیں اور نہ ہی اپنے علاقے کے قارئین کی ترجمانی کر پاتے ہیں۔ بنیادی ضرورت اس امر کی ہے کہ چھوٹے/مقامی اخبارات بڑے اخبارات بننے کی بجائے اپنے علاقے/شہر کے ترجمان بن کر مقامی عوام کی آواز کو سامنے لانے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔زیادہ سے زیادہ علاقے کے افراد کے نام اور تصاویر شامل کر سکتے ہیں۔ایسا کرنے سے ان قارئین میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ اخبار خاص طور پر ان کے لئے خبریں شائع کرتا ہے اور یہ ان کا اپنا اخبار ہے قارئین اسے اپنی نمائندگی کی بناء پر زیادہ اہمیت دینگے۔

موجودہ دور میں مقامی سطح پر بھی سیاست کافی مقبول ہوگئی ہے لوگوں میں سیاسی شعور بڑھ گیا ہے مقامی اخبارات اس بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مقامی سیاسی سرگرمیوں کو اشاعت میں شامل کر کے قارئین کی توجہ اپنی جانب مبذول کروا سکتے ہیں۔علاقے میں ہونے والی ہر سیاسی سرگرمی،اس کے پس منظر اور اثرات کو واضح طور پر شائع کر کے اس علاقے کے لوگوں کی دلچسپی اخبار میں بڑھا سکتے ہیں ایسا کرنے سے مقامی سیاست دان بھی اخبار کو اہمیت دیں گے۔

موجودہ دور میں لوگ اتنے مصروف ہو گئے ہیں کہ انہیں اپنے ہی علاقے میں موجود تفریح گاہوں کے بارے میں علم نہیں ہوتا۔مگر چھوٹے اخبارات اپنے علاقے کے تفریحی مقامات پر رپورٹ یا اس سے متعلق خبر شائع کر کے قارئین کی توجہ حاصل کر سکتے ہیں۔

ہر علاقے میں چھوٹے بڑے اسکول موجود ہوتے ہیں مگر مقامی سطح پر ہونے کی وجہ سے ان کی سرگرمیوں کو قومی اخبارات میں نمایاں جگہ نہیں ملتی۔چھوٹے اخبارات ان تعلیمی اداروں کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کو شائع کر کے نہ صرف ان اداروں بلکہ ان اداروں میں پڑھنے والے طلباء کی بڑی تعداد کو اپنے قارئین میں شامل کر سکتے ہیں۔اس ضمن میں تعلیمی اداروں میں نمایاں کارکردگی انجام دینے والے طلباء وطالبات کی تصاویر،انٹرویوز وغیرہ بھی شائع کیے جا سکتے ہیں۔اس طرح اخبار تعلیمی حلقوں میں بھی اپنی پہچان بنا سکتا ہے۔

علاقے یا شہر کے مخصوص تہواروں یا چھٹی کے دنوں کے بارے میں رپورٹ بھی شائع کی جا سکتی ہے۔خاص طور پر اپنے علاقے کے ثقافتی تہواروں پر رپورٹیں سرگرمیاں تفصیل سے شائع کر سکتے ہیں اور ان پر تاریخی اور ثقافتی ایڈیشن شائع کر کے ان تہواروں کے بارے میں اپنی نئی نسل کو آگاہی فراہم کر سکتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ علاقے سے تعلق رکھنے والی بزرگ ہستیوں کے عرس یا میلے کی رپورٹ بھی قابل توجہ ہوتی ہے۔

غیر معمولی واقعات ہی خبر کہلاتے ہیں مگر ان کی خبریت علاقے سے منسوب ہوتی ہے یعنی بہاولپور میں ہونے والا غیر معمولی واقعہ وہاں کے رہائشیوں

کے لیے زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔اس لیے ان واقعات سے متعلق خبریں آپ کے لیے قارئین کی تعداد میں اضافے کا باعث بنیں گی۔

ہر علاقے کے کچھ خاص کھیل، موسیقی اور ثقافتی رنگ ہوتے ہیں۔ چھوٹے اخبارات اپنے علاقے میں ہونے والی ثقافتی تقریبات موسیقی، تھیٹر وغیرہ کے بارے میں مکمل معلومات، علاقائی سطح پر ہونے والے کھیلوں اور جیتنے والے کھلاڑیوں کی تصاویر بھی شائع کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان خبروں اور تصاویر کی وجہ سے تقریبات کے منتظمین اور شرکت کرنے والے دونوں آپ کے اخبار کے قارئین بن سکتے ہیں۔

اگر ہم اپنے اخبار میں ایک کالم ایسا بنائیں جس میں علاقے کی معروف شخصیات کے ہاں ہونے والی شادیوں، تقریبات، سیمینار، ورکشاپ اور دیگر سرگرمیوں کی پیشگی اطلاع دی جائے اس طرح آپ کے قارئین اپنے علاقے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر سکیں گے۔ مزید براں علاقے کے سرکاری اہلکاروں اور نجی اداروں وغیرہ کے افسران کی ترقی، تقرری اور تبادلے وغیرہ کی معلومات بھی اخبار کی ترقی میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ مقامی لوگوں کی خوشی، غم کے موقعوں، برسی اور اعلانات بھی شامل کیے جا سکتے ہیں۔

اپنے اخبار میں اپنے علاقے میں ہونے والے ترقیاتی کام یعنی کسی نئی عمارت کا افتتاح، معاشی ترقی، نئے منصوبے کی تیاری وغیرہ جیسے ترقیاتی کاموں کے بارے میں اپنے علاقے کے قارئین کو مطلع رکھنے سے آپ علاقے کا نمائندہ اخبار بن سکتے ہیں۔ ترقیاتی کاموں کے ساتھ ساتھ علاقے کے عوام کو درپیش مسائل کو بھی سامنے لا سکتے ہیں۔ علاقے کے افراد کی رائے ان کے نام اور تصاویر کے ساتھ شائع کر سکتے ہیں۔ اس طرح قارئین بھی اس رپورٹ یا فیچر کو اہمیت دیں گے اور متعلقہ محکمہ بھی مسئلے کو حل کرنے کے لئے اقدامات کرے گا۔اس طرح علاقے کے افراد آپ کے اخبار کو اپنے لیے ایک رہنما تصور کرتے ہوئے اپنے مسئلے کے حل کے لیے رجوع کریں گے۔

جب آپ کا اخبار آپ کے علاقے کی مکمل نمائندگی کرے گا تو نہ صرف آپ کو تاجروں کی جانب سے اشتہارات بھی ملنا شروع ہو جائیں گے۔علاوہ ازیں کثیر القومی تجارتی ادارے بھی آپ کے شہر/علاقے کی عوام تک رسائی کے لیے آپ کے اخبار کو ترجیح دیں گے۔ جب آپ کا اخبار آپ کے علاقے کے عوام کے جذبات کی عکاسی کرے گا تو عوام میں اخبار کی اہمیت بڑھے گی اور لوگ اسے اپنا اخبار سمجھیں گے۔اس طرح نا صرف آپ کے اخبار کو فائدہ پہنچے گا بلکہ آپ کا اخبار علاقے کی معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور ثقافتی ترقی کا بھی باعث بنے گا۔

بلوچستان میں بلوچی و براہوی صحافت کا مختصر جائزہ

ارشاد مستوئی

آزادی اظہار ایک بنیادی انسانی حق ہے۔ یہ حق وہ لکیر ہے جو مہذب انسانی سماج کو مویشی باڑوں سے جدا کرتی ہے۔ آزادیِ اظہار کا معیار یہ ہے کہ اپنے ضمیر کی روشنی میں صحیح وقت اور صحیح مقام پر اپنی حقیقی رائے کا بلا خوف وخطر اعلان کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسے اظہار میں اختلاف رائے پیدا ہونا لازم ہے۔ خیالات کی مختلف صورتیں اور فکر کے نئے زاویے سامنے آتے ہیں۔ انسانی رویوں کی مختلف پرتیں تشکیل پاتی ہیں۔ جدید دنیا میں صحافت معلومات، خبر اور خیال کے تبادلے کا بنیادی ذریعہ ہے۔ گزشتہ برسوں میں ذرائع ابلاغ کی دنیا میں حیرت انگیز انقلاب برپا ہوا ہے۔ اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے چل کر ہم فیکس، انٹرنیٹ اور سیٹلائٹ تک جا پہنچے ہیں۔ اس سے خیال اور خبر کی طاقت بڑھی ہے لیکن ان کا خوف کم نہیں ہوا۔ حکمران طبقہ نئے خیال سے خوفزدہ ہوتا ہے۔ زمین پر سر جھکا کر گھاس ڈھونڈتی بھیڑوں پر حکمرانی کرنا آسان ہوتا ہے۔ مگر ایسی حکمرانی میں قبرستان کا سناٹا اور مرگھٹ کا خوف پایا جاتا ہے۔ بے خبری، لاعلمی اور خاموشی کے اندھیرے میں بدعنوان، نااہل اور ظالم حکومت کا درندہ پلتا ہے۔ ترقی، انصاف اور امن کی برکھا ان بنجر ٹیلوں پر نہیں برستی جہاں نئے خیالات، پرامن اختلافِ رائے اور اطلاعات کے بے روک ٹوک تبادلے کے بیج نہ بوئے جائیں۔

جمہوری ریاست اظہار کی حوصلہ افزائی کرتی ہے تاکہ معاشرے میں موجود مختلف گروہوں کے خیالات، مفادات اور خدشات کھل کر سامنے آسکیں۔ کیونکہ کھلے بحث ومباحثے کے بغیر شہریوں کے مفادات کا بہترین تحفظ ممکن ہی نہیں۔ دوسری طرف غیر جمہوری ریاست طاقت کے بل پر اختلافی آوازوں کو دبا دیتی ہے لیکن زخم اندر ہی اندر پھیلتے رہتے ہیں۔ کسی قوم کے خلاف سب سے بڑی سازش اس کی عوام کو اطلاعات کے شفاف عمل سے محروم رکھنا ہے۔ خبر کے واقعاتی حقائق کی ترسیل اہم ہے۔ مگر آج کی دنیا میں اس کے کہیں بہتر اور برق رفتار ذرائع موجود ہیں صحافت کا بنیادی کام واقعات کی تہہ میں پوشیدہ سیاسی، سماجی اور معاشی محرکات کو سامنے لانا ہے۔ واقعات کا تناظر پیش کرنا اور پالیسیوں کی کوتاہیاں سامنے لانا ہے۔ قوانین کے سقم واضح کرنا ہے۔ جدید انسانی تاریخ میں کسی قوم نے آزاد صحافت کے بغیر ترقی نہیں کی۔ دنیا بھر میں علوم فروغ پذیر ہیں۔ انسانی فکر ترقی پا رہی ہے۔ بلوچستان میں صحافتی سفر ۱۸۸۸ء میں شروع ہوا وقت کے ساتھ ساتھ مہارتوں میں اضافہ ہوا، کتابت کا دور اختتام پذیر ہونے کے بعد کمپیوٹر کا دور شروع ہوا لیکن جدت آنے کے بعد معیار زندگی بلند و بہتر ہونے کی بجائے پسماندگی اور غربت نے یہاں مستقل گھر کیا ہوا ہے۔

کسی بھی خطے کا ابلاغیاتی پس منظر ہی وہاں کی تاریخ، سیاست اور سماجی کردار کا اولین محفوظ نقش قدم ہوتا ہے اور اسی سے اس کے تمدنی شعور کا اندازہ بھی ہوتا ہے دنیا کے ارتقاء کی عمومی تاریخ کی طرح باقاعدہ ریاستی نظام کی تشکیل اور پھر عملی جمہوری ریاستوں کے قیام تک ذرائع ابلاغ کی موثر تنظیم کا کھوج مذہبی اور ثقافتی اقدار، زرعی پیداواری طبقوں کی آویزش، تجارتی کمپنیوں کی ریشہ دوانیاں، ہنرمند افراد کی معاشی حقوق کے لئے جدوجہد، قانونی پیچیدگیوں اور متصادم مفادات کی دھند کا سفر ہے جس میں فکری، نظریاتی اور سیاسی عمل ہی سماجی پیغامات کی نوعیت، حسیاتی اور جذباتی وابستگیوں کے اظہار دلچسپیوں کے تبادلے اور تعلقات عامہ کی ابتدائی سائنس سے مدد لئے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا ہندوستان کی قدیم تاریخ کی طرح راجواڑوں میں بٹی ہوئی سرزمین پر ہر راج دھانی کی الگ ابلاغیاتی تاریخ مرتب کرنا جس طرح ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے بالکل اسی طرح قبائل میں تقسیم بلوچستان کے ابتدائی اطلاعاتی آثار کے سراغ کا روادار ہے تاہم قبائل کے عائلی قوانین ہمسایہ ریاستوں سے تعلقات اور معاہدے حق خود

ارادیت کے لئے لڑی جانے والی جنگیں رزمیہ ور ومی لوک شاعری، دعائیہ اشعار اور عقائد، آلات ضرب وحرب ، رقص، فنون لطیفہ، فن تعمیر، رسم الخط، تہواروں اور میلوں ٹھیلوں کے رنگ ڈھنگ ہی ان کے مذہبی، سیاسی، ثقافتی اور مزاحمتی رویوں کے عکاس ابلاغیاتی عناصر ہو سکتے ہیں۔ تحقیقی نقطہ نظر سے ان تمام عوامل سے صرف نظر کرنا علاقے کے طرز فکر واحساس کی نفی کرنا ہے ج کے بغیر ابلاغ کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی البتہ مختلف تاریخی، پیداواری، تکنیکی وتخلیقی، معاشی، فکری، سیاسی اور طرز ہائے حکومت کے بدلتے ادوار سے گزرتے ہوئے اس کی نوعیت اور ماہیت مختلف ہوسکتی ہے۔

بلوچستان میں صحافت وابلاغ عامہ کی تاریخ کی تربیت وتحقیق میں یہ نکتہ ہمارے لئے جستجو کی سمت ابتدائی اشارے کے طور پر اہم رہا کہ اس کے تاریخی، سیاسی وسماجی پس منظر میں اس خطے کی زبانوں میں ہونے والے ابلاغ ان کے پیغامات کی نوعیت کو کھوجتے ہوئے ہم اپنی تلاش کو آگے بڑھائیں۔

کسی بھی خطے کی تاریخ سیاسی وسماجی اتار وچڑھاؤ، مذہبی ولسانی بنیادیں، فرقہ وارانہ تنظیمی لیاقت، نسلی وحدتوں کی شیرازہ بندی اور اظہاری رویے ہی وہاں کے باشندوں کا مزاج متعین کرتے ہیں تو اس کی جغرافیائی ساخت وحالات اور اس کے ذرائع پیداوار صنعت وتجارت کے امکانات کے تسلسل کا باعث ہوتے ہیں اور یہی تمام امور مل جل کر اس تمدنی رویے کی بنیاد ڈالتے ہیں جو اس کے اظہار کو کسی منضبط یا غیر منضبط شکل میں ڈھالتا ہے یہی اظہار آگے چل کر مستقبل کے مورخ کو وہ ذینہ فراہم کرتے ہیں جن پر کسی خطے کے تاریخی تسلسل اس کی سماجی اٹھان اپنے گردوپیش کے ساتھ کی جڑت اور بنت کی توجیہہ اور اس خطے کے مکینوں کے افکار وآدرش کی تاریخ قلمبندی ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کے مستقبل کے امکانات پر گفتگو بھی اسی تسلسل میں آگے بڑھتی ہے تاریخ واقعات کے کرداروں کا نام نہیں بلکہ منطقی انجام کے غیر وابستہ اظہار کا نام ہے اس حوالے سے بلوچستان کی غیر مرتب تاریخ کے ابلاغیاتی نقطے سماجی واقتصادی اور سیاسی تاریخ کو سمجھے بغیر حق ادا نہیں ہوسکتا۔

بلوچستان میں بنیادی سماجی اداروں کی باقاعدہ تشکیل کے لئے اب بھی وقت درکار ہے جو کثیر اللسان ہونے کے ساتھ ساتھ قبائل میں منقسم بھی ہے اور جس کی تاریخ کی تربیت کا بنیادی حوالہ تحریری نہیں بلکہ زبانی ہے یوں موضوع کے انتخاب کے بعد بنیادی اور ثانوی مواد کا حصول اس کی ترتیب، تحقیق اور تجزیہ کا یہ عمل توقع کے برخلاف بہت پھیل گیا ہے اس خطے میں گزشتہ دہائیوں میں آنے والی پے در پے تبدیلیوں کے سبب بلوچستان دنیا کے لئے ایک نو دریافت جزیرے کے طور پر ابھرا تو خود اہل پاکستان کے لئے بھی اس سے شناسائی کچھ ایسی خاص مبنی برحقائق نہیں تھی کسی بھی خطے کی صحافت اور ابلاغ عامہ کی تاریخ وہاں کے اخبارات ورسائل اور صحافیوں کی تاریخ کا نام نہیں بلکہ یہ کسی معاشرے یا خطے میں رہنے والوں کے پورے ذہنی، فکری، ثقافتی، سیاسی، اقتصادی اور نظریاتی سفر کو اس کی جغرافیائی حدود کے اندر رکھ کر جانچنے کا عمل ہے جس میں وہ سارا تنوع اور رنگارنگی تحلیل ہوکر آتی ہے جو اس معاشرے کے تشکیلی عناصر کا حصہ ہو۔

بلوچستان میں اخبارات کی تاریخ

بلوچستان میں سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ایک سو سے زائد روزنامہ کوئٹہ سے شائع ہوتے ہیں لیکن مارکیٹ میں پہنچنے والے ایک درجن ہی ہونگے باقی محض نظامت تعلقات عامہ کے دفتر میں سرکاری ریکارڈ کا حصہ بنتے ہیں ان میں بلوچی و براہوی زبان میں شائع ہونے والے اخبارات کی

تعداد انتہائی کم ہے۔

بلوچستان کے صوبائی دارالحکومت کوئٹہ میں دو طرح کے اخبارات شائع ہوتے ہیں پہلے درجے میں وہ ہیں جو کثیر الاشاعت قومی اخبارات کے ضمیمے کی صورت میں بلوچستان سے شائع ہوتے ہیں ان اخبارات کا محض کاروباری نقطہ نظر ہوتا ہے جس کیلئے وہ سرکاری اشتہارات کے حصول کی دوڑ دوڑتے نظر آتے ہیں ان قومی اخبارات کے ادارتی صفحات پر بلوچستان کے لوگوں کو درپیش مسائل سے متعلق کوئی تحریر نہیں ہوتی لاتعلقی کی دنیا میں رہنے والے ان اخبارات کے ادارتی صفحات اسلام آباد، کراچی یا لاہور سے تیار ہو کر آتے ہیں ان اخبارات کی حتی الوسع کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسا کوئی مواد شائع نہ کیا جائے جس سے کاروبار متاثر ہونے کا اندیشہ اور خدشہ ہو دوسرے درجے پر وہ اخبارات ہیں جن کی ادارت مقامی صحافی کرتے ہیں اور ان کے ادارتی صفحات میں بلوچستان کے ایشوز اور مسائل کو زیادہ اور نمایاں طور پر کوریج دی جاتی ہے ایسے اخبارات کو دباؤ کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جو بلوچستان کی نمائندگی کرتے ہیں مجموعی طور پر دیکھا جائے تو بلوچستان میں آج بھی صحافت گھٹنوں کے بل ہی چل رہی ہے۔ ذمہ دار، حقیقت پسند اور بے خوف تحریروں کی مدد سے معاشرے کے مختلف طبقات، گروہوں اور ریاستی اداروں میں رابطے نیز اطلاعات کے تبادلے کا ایسا متحرک ذریعہ سامنے نہیں آسکا جو روز بروز پھیلتے انسانی علوم سے رہنمائی لیتا ہو۔ بلوچستان میں صحافتی سفر جمود کا شکار نظر آتا ہے۔ بلوچی اور براہوی زبان میں اخبارات و رسائل کے فقدان کی ایک وجہ وسائل کی عدم دستیابی ہے لیکن یہاں اردو میں شائع ہونے والے اخبارات بھی محض خانہ پری ہیں "روزنامہ جنگ " کوئٹہ، "روزنامہ سپنچری ایکسپریس" کے علاوہ شاید ایک آدھ کوئی روزنامہ ہو جس کا ادارتی صفحہ مقامی سطح پر تیار ہوتا ہو "جنگ" اور "ایکسپریس" اادارتی صفحہ ان کے مرکزی دفاتر سے تیار شدہ آتا ہے اس میں بلوچستان کی نمائندگی انتہائی کم ہوتی ہے بلوچستان سے متعلق لکھنے والے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کوئٹہ کے علاوہ شاید ہی کسی شہر کا نظارہ کیا ہو۔

باقی اخبارات کراچی، لاہور، اسلام آباد اور پشاور سے شائع ہونے والے اخبارات کے ادارتی صفحات اور ایڈیشن پر اکتفا کرتے ہیں اب تو انٹرنیٹ نے ان اخبارات کی مشکلات کم کر دی ہیں نہیں تو ابھی کچھ پہلے تک کی بات ہے جب باہر کے اخبارات جہاز کے ذریعے کوئٹہ پہنچتے تھے اگر ایک دن فلائٹ موسم کی خرابی کے باعث نہ آئے تو پرانا ادارتی صفحہ ہی چھاپ دیا جاتا تھا یہاں میڈیا تین حصوں میں تقسیم ہے ایک میڈیا جو قومی میڈیا کہلاتا ہے جس میں "جنگ"، "ایکسپریس" اور "خبر رساں" ادارے ہیں جو ملکی سطح پر ہیں، دوسرا میڈیا بلوچ نقطہ نظر سے تعلق رکھتا ہے اور تیسرا پشتون نقطہ نظر کو پیش کرتا ہے لیکن تین حصوں میں تقسیم میڈیا میں خبر کا ذریعہ ''خبر رساں'' ادارے کی جانب سے بھیجی جانے والی خبریں ہی ہیں جو شہ سرخیوں میں شائع کی جاتی ہیں۔

روزنامہ "آساپ"

بلوچستان کے ماضی میں اگر جھانکیں تو یہاں کئی ایک اداروں کی بنیاد رکھی جو فکری رجحان کے طور پر ان کے اثرات بلوچستان کے سیاسی اور سماجی منظر نامے پر ہمیشہ محسوس کئے جاتے ہیں لیکن آج ایسے اداروں کا فقدان نظر آتا ہے ایسا ہی ایک ادارہ ماضی قریب میں دم توڑ گیا جسے "روزنامہ آساپ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کوئٹہ سے ملکی سطح کے اخبارات میں صرف جنگ اور مشرق کے ایڈیشن چھپتے تھے، جن میں نوے فیصد سے زیادہ خبریں ملکی سطح کی ہوتی تھیں، بلوچستان کی واقعاتی خبریں بمشکل دو کالمی جگہ پاتی تھیں۔ مقامی لکھاریوں کا ان اخبارات میں داخلہ شجرِ ممنوعہ تھا۔ اداریے میں بلوچستان اور اس کے مسائل کا ذکر ناپید تھا۔ ایسے میں مستقبل کے ایک بڑے ادارے کے پیشِ نظر صفر سے شروعات کرتے ہوئے اکتوبر ۱۹۹۲ء میں

تربت سے ماہنامہ " آساپ " کا آغاز کیا گیا۔اس کا کثیر حصہ بلوچی پر جبکہ ایک قلیل حصہ اردو پر مبنی ہوتا تھا۔زیادہ تر مضامین ادبی نوعیت کے ہوتے تھے۔کچھ حصہ سیاسی مضامین پر بھی مشتمل تھا۔اس کے پہلے مدیر ممتاز یوسف اور عبید شاد تھے۔بعدازاں اس کا کثیر حصہ سیاسی ہوگیا،جبکہ ادبی حصہ کم ہو گیا۔نیز اردو کا حصہ بھی بڑھا دیا گیا۔اب تقریباً نصف جریدہ اردو اور نصف بلوچی پر مشتمل تھا۔آنے والے چند برسوں میں اس جریدے نے مکران سمیت بلوچستان کے دیگر حصوں میں بھی قارئین کا ایک وسیع حلقہ پیدا کرلیا۔گویا اب اس پودے کے تناور شجر بننے کا وقت آپہنچا تھا،جس کا بیج کئی برس قبل بو دیا گیا تھا۔سرزمین سے سچی وابستگی کے لئے آس (آگ) اور آپ (پانی) سے گزرنے کا عزم (آساپ کا موٹو) لئے،دنیا کو تبدیل کردینے والے سانحہ نائن الیون سے محض ایک ماہ قبل، ۱۷ اگست ۲۰۰۱ء میں " آساپ "نے بطور روزنامہ تربت سے اپنی اشاعت کا آغاز کیا۔۲۰۰۳ء میں " آساپ " کوئٹہ اور کراچی سے شروع ہوا۔آساپ کی اشاعت کا آغاز ایک ایسے وقت میں ہوا جب بلوچستان کے قومی منظرنامے میں بلوچ قومی میڈیا کا فقدان شدت سے محسوس کیا جارہا تھا۔آنے والے برسوں میں یہ خطہ جس طرح عالمی گریٹ گیم کا اکھاڑہ بنا،اس میں " آساپ "جیسے قومی اداروں کی ضرورت مزید شدت سے اُبھر کر سامنے آئی۔" آساپ " بلوچ،بلوچی اور بلوچستان کے معاملات میں ایک رجحان ساز ادارہ ثابت ہوا۔" آساپ "نے بلوچ صحافت سمیت،بلوچی زبان وادب اور بلوچ قومی تحریک کو جست لگا کر کئی سال آگے کردیا۔جس کے اثرات بلوچ سماج میں آج بھی نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

" آساپ "نے یوں تو بلوچستان بھر میں قارئین کا ایک وسیع حلقہ پیدا کرلیا تھا لیکن مکران میں بالخصوص اس کی شہرت عروج پر تھی۔اہلِ مکران کے لئے " آساپ "تریاق کی شکل اختیار کرچکا تھا۔اس کی اہم وجہ یہ بھی تھی کہ ذرائع آمدورفت کی قلت کے باعث جہاں بلوچستان کے دیگر حصوں کی طرح ملکی اخبارات دن کے دوسرے حصے میں پہنچتے وہیں " آساپ "اپنے مقامی پریس کے باعث صبح سویرے مکران کے دور دراز کے علاقوں میں بھی میسر ہوتا۔نیز ملکی اخبارات کی نسبت اس میں نمایاں طور پر شائع ہونے والی بلوچستان کی خبریں اور مقامی قلم کاروں کے بلوچستان کے مسائل پر مضامین ،سونے پہ سہاگے کا کام کرتے۔" آساپ "نے اپنی اشاعت کے ساتھ ہی بلوچستان کی صحافت میں نئے رجحانات متعارف کروائے۔تمام تر اختلافات کے باوجود " آساپ " کا یہ کریڈٹ بلوچستان کی صحافتی تاریخ سے نہیں نکالا جاسکتا۔یہاں ہم " آساپ " کے متعارف کروائے گئے نئے ٹرینڈز کا ایک سرسری جائزہ لیں گے۔

" آساپ "نے دیگر اخبارات کی نسبت ادارتی صفحے سے لے کر خبروں کے معاملے تک اخبار کا نوے فیصد حصہ بلوچستان کے لئے مخصوص کر دیا۔ملکی خبروں کی جگہ،مقامی خبروں کو اہمیت دی جانے لگی۔ایڈیٹوریل کا زیادہ تر حصہ بلوچستان کے ایشوز پر ہوتا۔ادارتی صفحے پر بلوچستان کے لکھاریوں کو جگہ دی گئی۔

سینئر لکھاریوں سمیت " آساپ "نے نئے لکھنے والوں کو بھی بلوچستان پر لکھنے کی دعوت دی۔پہلی بار لکھنے والوں کے لئے اعزازیہ کا اعلان ہوا۔یوں " آساپ " نئے لکھنے والوں کی نرسری بن گیا،جس نے اپنی مسلسل اشاعت کے سات برس میں درجنوں نئے لکھاری پیدا کئے،جو بلوچستان کی قومی فکر سے جڑت رکھتے ہوئے آج بھی فکر ونظر کے گل کھلا رہے ہیں،ان میں سے بعض آج صاحبِ کتاب بھی بن چکے ہیں۔

خبروں میں " آساپ "نے کئی نئے ٹرینڈز دیے۔بلوچ گوریلوں کے لئے استعمال ہونے والے لفظ "شرپسند" کو پہلے "شدت پسند" بنا

دیا۔جلد ہی یہ لفظ "مزاحمت کار" کی شکل اختیار کر گیا (آج بلوچ گوریلوں کے لئے یہ اصطلاح عام بن چکی ہے) " آساپ " کے آخری ایام میں، انہیں "سرمچار" لکھنا شروع کر دیا گیا۔

" آساپ " کی باقاعدہ ہفتہ وار اشاعتوں میں بلوچی صفحات بھی خصوصی اہمیت کے حامل تھے۔ بعدازاں " آساپ " جب بارہ صفحات تک پھیلا دیا گیا تو بلوچی کے ہفتہ میں دو صفحات شائع ہونے لگے بدھ کے روز ''دروھتگیں بام'' اتوار کے روز ''تنگوئیں گوناپ'' کے عنوان سے شائع ہوتے۔

" آساپ " کو بلوچستان سمیت ، بلوچ، بلوچی اور بلوچستان سے دلچسپی رکھنے والے بین الاقوامی حلقوں میں بھی یکساں پزیرائی ملی۔" آساپ " کی بڑھتی ہوئی اسی مقبولیت نے طاقت کے ایوانوں کو اپنی طاقت کے استعمال پر مجبور کیا۔فروری ۲۰۰۹ء میں " آساپ " کے ایڈیٹر ان چیف، جان محمد دشتی پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔" آساپ " کے پبلی کیشن ایڈیٹر کو دھمکایا گیا۔کارکنوں کو ہراساں کیا گیا اور اسی سال اگست کے دوسرے ہفتے میں " آساپ " کے مرکزی دفتر پر سکیورٹی فورسز کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔جنہوں نے " آساپ " کے ورکروں سمیت دفتر میں آنے والے تمام افراد کو ہراساں کرنا شروع کیا۔جس کے نتیجے میں انتظامیہ نے بالآخر کارکنوں کی حفاظت کے پیشِ نظر ۱۷ اگست ۲۰۰۹ء کو " آساپ " کی اشاعت معطل کرنے کا فیصلہ کیا۔اٹھارہ اگست کی صبح " آساپ " کا آخری پرچہ منظر عام پر آیا۔

اسی طرح روزنامہ " **توار مستونگ** " ہے جس کی اشاعت وطباعت کراچی سے ہوتی تھی اس میں بھی روزنامہ " آساپ " کی طرح بلوچ مزاحمتی اور قومی تحریک کو زیادہ جگہ فراہم کی جاتی اور اس میں بھی بلوچی ادبی صفحہ ''لبز انک تاک'' جبکہ براہوی صفحہ ''براہوی بشخ'' کے نام سے شائع ہوتے تھے۔اس ادارے نے کئی رجحان متعارف کرائے اور بلوچ حلقوں میں پذیرائی حاصل کی۔

روزنامہ "انتخاب" اور روزنامہ " آزادی"

بلوچ میڈیا میں دو اہم نام روزنامہ **"انتخاب" اور روزنامہ " آزادی"** کوئٹہ کے ہیں **"انتخاب"** کوئٹہ اور حب سے بیک وقت شائع ہوتے تھے یہ انتہائی سنجیدہ اخبار سمجھا جاتا تھا اس میں بھی بلوچ مؤقف کو زیادہ جگہ فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی تھی ادارتی صفحات میں کبھی کبھار بلوچستان کے مقامی لکھاری ہوتے جبکہ اکثر اوقات بیرون بلوچستان کے اخبارات سے مضامین چھاپتے۔روزنامہ " **آزادی** " کوئٹہ سے شائع ہونے والا اخبار تھا اس میں بھی بلوچ مؤقف کو زیادہ اجاگر کیا جاتا لیکن ادارتی صفحہ بلوچستان کے لکھاریوں پر نہیں البتہ اداریہ بلوچستان کے مسائل پر لکھنے کی کوشش کرتا تھا جو مؤثر نہیں رہی۔

موجودہ دور میں صحافت

بلوچستان سے شائع ہونے والے اخبارات زیادہ تر خبر رساں اداروں کی خبروں پر ہی اکتفا کرتے ہیں بلوچ و پشتون اخبارات کی شہ سرخیوں سے اس کا با آسانی اندازہ لگا لیا جاتا ہے کہ وہ کس نظریے کے ہیں۔مثال کے طور پر ۲۵ جون ۲۰۱۲ء کے بلوچ پشتون اور قومی سوچ رکھنے والے اخبارات کا مشاہدہ کریں پشتونخوا میپ کے سربراہ محمود خان کے جلسہ کی خبر ہے " سینچری ایکسپریس " کی سرخی مختلف ہے بلوچ نکتہ نظر کے حامی اخبار روزنامہ

"انتخاب" کی سرخی وہ ہے جو بلوچ سوچتا ہے جبکہ پشتون نکتہ نظر سے تعلق رکھنے والے روزنامہ "قدرت" نے الگ سرخی نکالی ہے اگر تینوں اخبارات کا مشاہدہ کیا جائے تو ہر ایک اپنی دوڑ میں مصروف نظر آئے گا لیکن خبر کہیں کوسوں پیچھے رہ جاتی ہے۔

روزنامہ " نوائے وطن"

بلوچی میں شائع ہونے والا "نوائے وطن" کے بانیوں میں ملک محمد پناہ اور غلام محمد شاہوانی کے نام ہیں لیکن یہ اس کے بعد کوئی قابل ذکر کردار ادا نہیں کرسکا بلوچی اور براہوی میں بھی شائع ہونے والے اخبارات کا کوئی بہت بڑا سیٹ اپ نہیں وہاں دو سے تین افراد بیٹھے ہیں جن کی ذمہ داری خبر رساں اداروں کی اردو سروس کو ترجمہ کرنا ہوتا ہے بعض اوقات اس میں زبان، خبر کے ڈھانچے اور حروف کا خیال بھی نہیں رکھا جاتا یا اس طرح کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ خبر میں سر اور پیر کا کوئی تعلق پتہ نہیں چلتا سرخی وہ بنائی جاتی ہے جس کا خبر میں کوئی تذکرہ نہیں ہوتا مثال کے طور پر بلوچی میں شائع ہونے والے روزنامہ ''نوائے وطن'' کی یہ شہ سرخی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ''بلوچستان اسمبلی کا اجلاس، موجودہ حکومت نے اپنا پانچواں و آخری بجٹ پیش کردیا'' اس میں یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی، کہ نئے مالی سال ۱۳-۲۰۱۲ء کا بجٹ کیا ہے کتنی مالیت کا بجٹ ہے اس میں کیا کچھ شامل ہے گو کہ یہ خبر ایک خبر رساں ادارے کی جانب سے ارسال کی گئی جو بلوچستان سمیت ملک کے دیگر اخبارات میں شائع ہوئی اب اردو زبان میں یہ خبر کچھ اس طرح شائع ہوئی مثال کے طور پر ہم نے روزنامہ ''باخبر'' کوئٹہ کی شہ سرخی کو رکھا ہے ''بلوچستان ۱۸۰ ارب روپے کا فاضل بجٹ: تنخواہوں پنشن میں اضافہ ۶ ہزار سے زائد نئی آسامیاں''۔

بلوچی زبان میں واحد روزنامہ ''نوائے وطن'' ہے لیکن وہ بھی مارکیٹ میں انتہائی کم دستیاب ہوتا ہے اور کوئی بلوچی کا اخبار نہ ہونے کے باعث اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے گو کہ ماضی کے تناظر میں اگر پرکھا جائے تو ''نوائے وطن'' کا کردار انتہائی انقلابی رہا ہے ملک محمد پناہ، غلام محمد شاہوانی ان کے بانیوں رہے ہیں جنہوں نے بلوچستان کی سیاست میں اہم وکلیدی کردار ادا کیا ان کے نام سے منسوب اس وقت شائع ہونے والے "نوائے وطن" کا کردار نہ ہونے کے برابر ہے یوں تو کہتے ہیں کہ صحافت ایک مقدس پیشہ ہے۔ مقدس اس لئے کہ بھلائی اور برائی کی جنگ جو ازل سے چلی ہے اور قیامت تک چلنے والی ہے اس میں صحافت ایک اہم ترین ہتھیار ہے۔ زرہ بکتر اور تیر و تفنگ کے ساتھ لڑی جانے والی قدیم جنگیں ہوں یا آج کے دور کی لیزر گائڈیڈ میزائیلز کے ساتھ لڑی جانے والی قیامت خیز جنگیں۔ اپنے اثرات اور نتائج کی بنیاد پر ان سب پر بھاری ہوتی ہے یہ کاغذ اور قلم کے ذریعہ لڑی جانے والی جنگ! یہ وہ جنگ ہے جس میں نہ خون خرابہ ہوتا ہے، نہ فصلیں اور اناج کے کھلیان برباد ہوتے ہیں۔ نہ جسموں کے چیتھڑے ہواؤں میں بکھرتے ہیں اور نہ یتیموں اور بیواؤں کی سسکیاں فضاؤں کو بوجھل بناتی ہیں۔ یہ وہ جنگ ہے جس میں نہ سر کٹتے ہیں، نہ گردنیں اڑائی جاتی ہیں۔ لیکن بڑے ہی غیر محسوس طریقہ پر دلوں اور ذہنوں کو فتح کیا جاتا ہے۔ اسی لئے ایک دانشور نے کہا تھا کہ قلم کی طاقت تلوار سے زیادہ ہوتی ہے۔

لیکن بلوچی اور براہوی صحافت میں قلم کی طاقت انتہائی غیر موثر دکھائی دیتی ہے۔ سماجی انقلاب کی راہ میں صحافت یا آج کی زبان میں میڈیا کا رول بنیادی ہوتا ہے۔ بطور ثبوت اور مثال کے ہم آج کے دور کی جنگوں کے نتائج دیکھ سکتے ہیں جہاں بموں کی برسات سے پہلے ہی میڈیا کے ذریعہ آدھی جنگ جیتی جاچکی ہوتی ہے۔ یا پھر الیکشن میں بیلیٹ بکس کھلنے سے پہلے ہی اگزٹ پول کے تحت نتائج طے ہو چکے ہوتے ہیں۔

۱۶ جون ۲۰۱۲ء کو روزنامہ "نوائے وطن" میں شائع ہونے والی یہ خبر بلوچستان اسمبلی کے اجلاس کی ہے جہاں عوامی نیشنل پارٹی کے پارلیمانی

لیڈر صوبائی وزیر انجینئر زمرک خان نے بجٹ پر جاری بحث میں حصہ لیا اور بجٹ کو متوازن قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہم نے قومی نابرابری کے خاتمہ کی ہمیشہ بات کی ہے ہم سمجھتے ہیں کہ آج بھی اگر بلوچ و پشتون سمیت تمام قوموں کو حقوق دیئے جائیں تو کوئی آزادی کی بات نہیں کرے لیکن "نوائے وطن" میں اس خبر کی سرخی کچھ اس طرح بنائی گئی ہے ''بلوچستان اسمبلی کا اجلاس، یہاں حالات اس وقت بہتر نہیں ہونگے جب تک ہم اس پر سوچ بچار نہیں کرتے، انجینئر زمرک''۔

اس سے قبل ۴ جون ۲۰۱۲ء کو ''نوائے وطن'' میں وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کی کوئٹہ آمد کے روز خبر شائع ہوتی ہے اس روز کوئٹہ میں ٹارگٹ کلنگ کا واقعہ پیش آیا۔ اس خبر کو نمایاں طور پر شائع نہیں گیا جبکہ لیڈ سرخی وزیر گیلانی کی بنائی گئی جو کچھ یوں ہے ''بلوچستان کو این ایف سی ایوارڈ میں تین گنا فنڈ دیئے'' گیلانی کی کوئٹہ آمد اور استقبال کی خبر کو بھی الگ سے جگہ دی گئی۔

۱۴ جون ۲۰۱۲ء کو ''نوائے وطن'' کی لیڈ میاں نواز شریف کے تجزیاتی بیان پر مبنی ہے لیکن ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے کہ اس کا سر پیر کا کوئی جوڑ نہیں
سرخی ''پوری قوم سپریم کورٹ کیخلاف سازشوں سے آگاہ ہے جنہیں کامیاب ہونے نہیں دیں گے''
اسی روز کے اخبار میں سپر لیڈ نیٹو سربراہ کی خبر ہے ''بات چیت کا عمل حتمی فیصلہ تک نہیں پہنچا، پاکستان کو اپنی حیثیت بتانا ہوگی، نیٹو سربراہ''

۲۱ جون ۲۰۱۲ء کو "نوائے وطن" میں کئی خبریں ہیں جو بلا جواز ہیں اور کچھ تصاویر ہیں لیکن ان کی خبریں نہیں مثال کے طور پر تصویر ہے کہ گورنر بلوچستان نواب ذوالفقار علی مگسی سے نیشنل پارٹی کے رہنماؤں سردار کمال خان بنگلزئی، نواب محمد خان شاہوانی کی سربراہی میں وفد کی ملاقات'' اس تصویر کی کوئی خبر شائع نہیں کی گئی حالانکہ موجودہ حالات میں یہ ایک اہم خبر ہے کہ نیشنل پارٹی جو سڑکوں پر حکومت کے خلاف سراپا احتجاج بھی ہے نیشنل پارٹی سے تعلق رکھنے والے رہنما قبائلی عمائدین اور مصالحتی جرگہ کے ارکان بھی ہیں جو بلوچستان کے قبائلی تنازعات کے خاتمہ کیلئے کوشاں ہیں ان کی ملاقات گورنر بلوچستان سے اہمیت کی حامل ہے جو ایک قبیلے کے سربراہ ہیں لیکن اس اہم نوعیت کی ملاقات کی خبر کو نظر انداز کر کے غیر ضروری سمجھا گیا۔ اسی طرح صوبائی وزیر خزانہ میر عاصم کرد گیلو کی تصویر ہے اسمبلی میں خطاب کر رہے ہیں کس حوالے سے خطاب کر رہے ہیں اس کی کوئی خبر نہیں اسی روز کے پرچے میں وزیر اعلیٰ نواب رئیسانی کے چھوٹے بھائی بلوچستان متحدہ محاذ کے سربراہ نوابزادہ سراج رئیسانی کی تصویر بھی ہے لیکن اس کا کوئی تذکرہ نہیں جبکہ لیڈ شہ سرخی سپریم کورٹ میں بلوچستان امن و امان کیس کی سماعت کے حوالے سے ہے جس میں خفیہ اداروں کو حکم دیا گیا کہ لاپتہ افراد کو بازیاب کرایا جائے۔ ایران جوہری پروگرام بارے ماسکو میں مذاکرات ناکام ہونے کی خبر بھی نمایاں ہے پیپلز پارٹی کی جانب سے جمعیت علماء اسلام کو حکومت میں شامل ہونے کی پیشکش بھی نمایاں طور پر شائع کی گئی ہیں لیکن بلوچستان مکمل طور پر نظر انداز ہے۔

روزنامہ ''نوائے وطن'' میں بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ تصاویر کے کیپشن کا ترجمہ کرنے کی بجائے انہیں انگریزی اور اردو میں چھاپ دیا جاتا ہے بلوچی لب ولہجہ اور الفاظ کے استعمال پر بھی توجہ انتہائی کم ہوتی ہے ہماری یہاں مختلف بلوچ ادباء و شعراء اور صحافیوں سے بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ زبان کا استعمال وہ کیا جارہا ہے جو روزمرہ کے استعمال کی زبان نہیں اس لئے بلوچی پڑھنے میں بھی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ بلوچی زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے کام کرنے والے اداروں کی عدم دلچسپی کے باعث بلوچی صحافتی سفر کا آغاز نہیں کر پارہی۔

- موجودہ بلوچی اخبار
- روزنامہ نوائے وطن

براہوی زبان

براہوی زبان

براہوی:- براہوی زبان بلوچستان میں بولی جانے والی زبانوں میں تیسری بڑی زبان ہے جس کے بولنے والوں کی اکثریت بلوچستان میں رہتی ہے بلوچستان کے علاوہ سندھ، جنوبی افغانستان، مشرقی ایران، جنوبی افریقہ اور ترکمانستان میں بھی براہوی بولنے والے اچھی خاصی تعداد میں آباد ہیں بلوچستان کے طول وعرض میں کوئی چار ہزار مربع میل کے رقبے پر براہوی بولنے والے آباد ہیں۔ براہوی زبان اپنے ان بنیادی مراکز کے علاوہ دیگر اضلاع میں بھی بولی جاتی ہے جیسے چاغی، کوئٹہ اور لسبیلہ وغیرہ

براہوی قوم کے حسب ونسب کے متعلق مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ براہوی ترکی النسل ایرانی ہیں میر گل خان نصیر اور ملک صالح محمد لہڑی کا خیال ہے کہ براہوی طائفہ دوسرے بلوچوں کی نسبت بہت پہلے ہجرت کر کے البرز پہاڑ کے قریب وجوار میں آباد ہوا اور برزکوہ کی نسبت سے برزکوہی مشہور ہوئے جو بعد میں براہوی بن گئے بلوچستان میں براہوی زبان میں دراوڑی اجزاء شامل ہیں لیکن براہوی زبان خود دراوڑی نہیں ہے بلکہ ایرانی النسل ہیں پاک وہند کی اسلامی تاریخ کے مولف ڈاکٹر ریاض الاسلام بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں بعض مستشرقین براہوئیوں کو ترکی وایرانی مخلوط نسل کے باشندے بتاتے ہیں تو بعض کے نکتہ نظر میں براہوی وادی سندھ کی قدیم تہذیب موہنجوداڑو کے بانی ہیں۔ اس کے اولین بولنے والے وہ لوگ تھے جو بحیرہ روم کے ساحلی خطے سے اٹھے اور منزل بہ منزل بلوچستان میں داخل ہوئے اور کیرتھر کے دامن میں آباد ہو گئے یہی وہ بے مثال قوم ہے جن کے آثار میں موہنجوداڑو اور ہڑپہ کا نام آتا ہے۔ لغوی طور پر براہوی قدیم فارسی کا ایک لفظ ہے جس کے معنی پہاڑی آدمی یا باجگر کے ہیں وادی قلات میں براہوئیوں کی آمد اور براہوئیوں کی دراوڑی سے نسبت کے بارے میں ایک مستشرق ماہر لسانیات جارج مارگز بیٹرین بھی اس سلسلے میں کوئی حتمی رائے کا اظہار کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ ہمارے پاس اس یقین کا کوئی ذریعہ نہیں کہ وادی قلات پر براہوی قبضہ کس قدر قدیم ہے اور کیا یہ زمانہ قبل از تاریخ کی دراوڑی آبادی کی باقیات میں سے ہیں جو ہندوستان کے ایک وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھی ایک ایسا قبیلہ جسے شمال مغربی سمت سے ہندوستان میں داخل ہوتے ہوئے دراوڑوں نے پیچھے چھوڑ دیا ہو یا مہاجرین کا ایک ایسا حصہ جنہوں نے دراوڑیوں کے موجودہ مسکن دکن سے بعد ازاں ترک وطن کیا ہو۔

براہوی زبان کو استحکام نہ مل سکا اور اس میں تبدیلیاں بعد میں بھی آتی رہیں اور سیاسی حالات میں ردوبدل اور قبائلی کشمکش کی وجہ سے قبائل کی زبان پر آریائی اور ایرانی زبانوں کے اثرات آتے رہے یہاں تک یہ شبہ کیا جانے لگا کہ دراصل براہوی زبان آریائی ایرانی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔

براہوی بلوچستان کے ساتھ ساتھ افغانستان اور ایران کے بعض حصوں میں بھی بولی جاتی ہے بلوچستان کے وہ علاقے جہاں براہوی آبادی کے گرد پشتو، سندھی کا لاسی لہجہ اور بلوچی بولنے والوں کی آبادی ہے وہاں براہوی کے اصل لب ولہجہ پر یہ تمام زبانیں اثر انداز بھی ہو رہی ہیں اور خود بھی براہوی کا اثر قبول کر رہی ہیں چنانچہ ان علاقوں کی براہوی اس کے باقی لہجوں سے مختلف نظر آتی ہے اسی طرح سے ایران اور افغانستان میں رائج براہوی کو ایک طرف سے کردی وفارسی اور دوسری طرف سے دری اور پشتو نے گھیر رکھا ہے جس کے نتیجے میں ان علاقوں میں بولی جانے والی براہوی کے

خدوخال بلوچستان میں رائج براہوی سے خصوصاً لغوی ذخیرے کی حدتک بہت مختلف ہیں۔مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ براہوی جو وادی قلات اور وادی بولان میں بولی جاتی ہے اور لکھنے پڑھنے کی غرض وغایت پوری کررہی ہے وہی معیاری براہوی ہے اور یہی انداز واسلوب اس کا معیاری لہجہ بنا رہا ہے باقی کردش براہوی' افغانی اور سندھی براہوی اس کے اپنے لہجے بناتے ہیں۔

براہوی ادب کو دو اہم حصوں میں رکھ کر دیکھا جاسکتا ہے پہلے وہ حصہ جو غیر تحریری اور زیادہ تر یا داشتوں پر محیط ہے جب کہ حصہ دوم میں معیاری ذخیرہ ادب ملتا ہے اور اس کا بڑا حصہ تحریری مواد پر مشتمل ہے پہلا حصہ لوک ادب کا ہے جو کہ انسانی شعور کے ابتدائی حوالوں سے لیکر عصری عہد کی عوامی کیفیات واحساسات کی ترجمانی تک محیط ہے یہ ایسا بے ساختہ ادب ہے جو باقی دنیا کو اپنے معاشرے کی اقدار وخدوخال سے براہ راست متعارف کرانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

دور قدیم کے ادب کا دوسرا حصہ نثری مواد پر مشتمل ہے جس میں لوک کہانیوں، دانستانوں، لطائف، دینی تعلیمات، کہاوتوں اور ضرب الامثال کو سمونے کی بڑی گنجائش ہے لوک ادب کے حصہ اول یعنی منظوم حصہ میں برنازنا، لیلی مور، ہالو، مہہ لنج اور مودہ کی شعری اضاف کو کافی مقبولیت اور شہرت حاصل ہے جب کہ حصہ دوم جو کہ نرج لوک ادبی ورثے کے ذخیرے پر مشتمل ہے اس میں شامل قصے اور داستانیں عموماً پری، جن ودیو، ملی ومما، پیرہ، بلہ، جاتو، گوانگو، چک بر، ہیچ نہار اور بوانٹو جیسے مافوق الفطرت کرداروں کے سہارے تکمیل پاتی ہیں براہوی واحد زبان ہے جس نے ان قصوں کو ''سدابہار'' قصوں کے ہمراہ زندہ رکھا ہے۔

براہوی زبان میں صحافت کی تاریخ

یہ جائزہ زبان کی نشوونما کے حوالے سے کیا گیا ہے لیکن کسی بھی زبان میں آغاز صحافت دراصل اس زبان کے لکھنے والوں کے عام آدمی کے ساتھ رابطے کا آغاز ہوا کرتا ہے کیونکہ بہر حال ادیب کے ابلاغ کی سطح کسی بھی دور میں عوامی سطح سے نسبتاً بلند ہوا کرتی ہے براہوی زبان میں صحافت کا آغاز ۱۹۳۰ء میں الحق نام کے ایک مذہبی جریدے سے ہوا اس رسالے کی زندگی بہت مختصر رہی اور بلوچستان میں براہوی صحافت کی باقاعدہ ابتداء کے لئے براہوی لکھنے پڑھنے اور بولنے والوں کو مزید تیس برس انتظار کرنا پڑا جب فروری ۱۹۶۰ء میں نور محمد پروانہ نے مستونگ سے "ایلم" کے نام سے ایک ہفتہ وار براہوی رسالے کا اجراء کیا ان تیس برسوں میں براہوی لکھنے والوں نے اپنے اظہار کے لئے وسیلہ ڈھونڈنے اور عوام کو برصغیر کے سیاسی سماجی اور معاشی تغیرات سے آگاہ رکھنے کے لئے ان اخبارات ورسائل سے مدد حاصل کی جن کا اجراء تو سندھی، اردو یا بلوچی میں ہوتا تھا مگر ان میں براہوی کے لئے صفحات یا کالم مخصوص تھے اس طرح ہفتہ وار "نوئے وطن" کوئٹہ اور "نوائے بولان مستونگ" میں باقاعدہ براہوی شعراء وادباء کے تعارف کا سلسلہ شروع ہوگیا فروری ۱۹۶۰ء میں جب نور محمد پروانہ نے ہفتہ وار ایلم کا مستونگ سے آغاز کیا تو براہوی صحافی قلمکاروں کا ایک گروہ پہلے سے موجود تھا جن کی وجہ سے اس اخبار کو بہت جلد مقبولیت حاصل ہوگئی اب ایلم براہوی صحافتی حلقے میں سنگ میل کا مقام حاصل کرچکا ہے اور یہ اخبار براہوی ادب کی اشاعت واصلاح کے سلسلے میں ایک منفرد ادارے کا کام سرانجام دے رہا ہے۔

اردو ہفت روزہ میثاق الحق کے مدیر عبدالرحمان غور نے بھی براہوی نثری ادب کو کافی ترقی دی اسی طرح ۱۹۶۵ء میں ادارہ نشرواشاعت قبائل کے ماہوار رسالے اولس میں براہوی نظم ونثر کو جگہ ملنے سے بھی براہوئی نثری ادب کی اشاعت میں اضافہ ہوا اور بے شمار مضامین، ڈرامے اور افسانے

اس میں شائع ہوتے رہے ۱۹۶۸ء میں روزنامہ میزان کوئٹہ میں بھی چند شماروں تک براہوی نثر چھپتی رہی اسی طرح ۱۹۷۴ء سے اردو روزنامہ "اعتماد" کوئٹہ میں روزانہ براہوی زبان کا ایک کالم کافی عرصہ چھپتا رہا ایلم اولس اور اعتماد نے اس زبان کی نثر باقاعدگی سے شائع ہوتی ہے۔

۱۹۹۰ء کے عشرے میں صحافی برادری نے کثیر اللسانی صحافت کا تجربہ کیا اور کیرتھر کے نام سے ڈاکٹر داد محمد خادم کے زیر ادارت جیکب آباد سے ایک اخبار کا اجراء کیا جسے سندھی اردو اور براہوی میں کامیابی کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے یہ اخبار ایک طرف اپنی اشاعت میں اضافے کے باعث براہوی زبان وادب کے فروغ میں معاونت کرنے کے ساتھ نئے لکھنے والوں کی بھی ہمت افزائی کررہا ہے تو دوسری طرف علاقے میں بولی جانے والی زبانوں کے درمیان ہم آہنگی کے فرائض سرانجام دینے کے علاوہ مارکیٹ کے نقطہ نظر سے بھی اہم ہے کہ تین زبانوں کے خریدار اس اخبار کو میسر آئے۔

اخبارات ورسائل کے اس اجراء نے جہاں براہوی زبان وادب کے فروغ میں مدد دی اور مواد میں تنوع اور لکھنے والوں میں پختہ کاری کی بنیاد ڈالی وہاں براہوی میں لکھنے والوں کی ایک نئی نسل بھی تیار کی جنہوں نے بہت کم عرصے میں براہوی زبان کو نظم کے ساتھ نثر میں افسانے، ڈرامے، انشائیے اور مضامین سے مزین کیا ان ہی اخبارات ورسائل کے طفیل ہی براہوی قارئین کو عارف ضیاء تاج رئیسانی، آمنہ موج، طاہرہ احساس اور حکیم خدائے رحیم، جیسے نثر نگار تو موسیٰ طور، اسحاق سوز، جوہر براہوی عبدالرزاق صابر، حکیم فیض، بابا عبدالحق، عادل شورانی، عزیز اللہ عزیز، یوسف موج، رئیس نبی داد، عزیز راہی اور مولانا محمد حکیم فیض، بابا عبدالحق، عادل شورانی، عزیز اللہ عزیز، یوسف موج، رئیس نبی داد، عزیز راہی اور مولانا محمد یعقوب وغیرہ کی شاعری ملی تو تیسری طرف براہوی ادب کو جوہر براہوی، غلام نبی راہی، خدادادگل، ڈاکٹر عبدالنبی اور اعظم مشتاق کے انشائیے، غلام حیدر حسرت، عارف ضیاء، افضل مراد اور وحید ظہیر کے ڈرامے عبدالرزاق صابر کی تحقیقی تصانیف میر عبداللہ جان جمالدینی، پروفیسر نادر قمبرانی اور ڈاکٹر عبدالرحمان بنگلزئی کے تحقیقی مقالے اور تصانیف میسر آئیں۔

ان تمام انفرادی اور اجتماعی کوششوں کے نتیجے میں براہوی زبان کو ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی ویژن پر دوسری قومی زبانوں کے ساتھ مقام ملا اور اس طرح براہوی زبان نے خود کو نشریاتی تقاضوں کو پورا کرنیکی اہل ثابت کیا براہوی کے علاوہ دیگر زبانوں کے اشتراک سے میڈیا مارکیٹنگ کی ابتداء کی اور ابلاغی وسیع القلبی کا مظاہرہ کیا۔

براہوی زبان میں شائع ہونے والا روزنامہ ''تلار'' ہے جس نے تجرباتی طور پر نیارجحان متعارف کرانے کی کوشش کی ہے اس اخبار میں براہوی لکھنے والوں کو آگے بڑھانے کی کوشش بھی کی جاتی ہے اور براہوی زبان وادب کی ترقی وترویج پر بھی توجہ دی جارہی ہے لیکن خبر کا ذریعہ یہاں بھی خبر رساں ادارے ہی ہیں یا پھر مانیٹرنگ ڈیسک کا استعمال کرتے ہوئے الیکٹرانک میڈیا کی چٹ پٹی خبروں کو تراشا جاتا ہے لیکن مسئلہ وہی زبان کا ہے کیونکہ خبریں ترجمہ کی جاتی ہیں اکثر اوقات ایسی خبریں ہوتی ہیں کہ مترجم کو براہوی کا متبادل لفظ نہیں ملتا اور وہ اردو کے استعمال پر ہی تکیہ کرلیتا ہے

اردو کی طرح بلوچی اور براہوی میں بھی آراء پر مبنی خبروں کی اشاعت جیسا مسئلہ اس لئے نہیں کہ یہاں خبر خبر رساں اداروں کی لی جاتی ہیں اور انہیں ترجمہ کیا جاتا ہے ترجمہ کرتے وقت ڈنڈی مارنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اتنی اثر انداز نہیں ہوتی البتہ جو بلوچ فکر سے تعلق رکھنے والے اخبارات ہیں ان کے اداراتی صفحات یا بلوچی و براہوی صفحات میں اکثر اوقات آراء پر مبنی تحریریں شائع کی جاتی ہیں جو تعصبی ذہنیت، اور غیر ذمہ دارانہ ہوتی ہیں یہ

سوچے بغیر انہیں شائع کیا جاتا ہے کہ اس کے کیا اثرات پیدا ہو سکتے ہیں

۱۹ جون ۲۰۱۲ء کو "تلار" میں شہ سرخی کے الفاظ ہیں ''کوئٹہ دھماکہ پانچ طالب علم ہلاک 70 افراد زخمی'' حالانکہ یہ واقعہ بلوچستان یونیورسٹی آف انفارمیشن ٹیکنالوجی اینڈ مینجمنٹ سائنسز کی بس پر حملہ کا ہے جس میں طالب علم جاں بحق ہوئے لیکن تلار کی سرخی میں اس کا تذکرہ نہیں دھماکہ براہوی لفظ نہیں اور نہ ہی طالب علم، اس کے علاوہ بلوچستان میں لوڈ شیڈنگ روز کا معمول ہے لیکن کبھی بھی لوڈ شیڈنگ کی خبر کو یہاں نمایاں طور پر شائع نہیں کیا گیا کیونکہ خبر رساں ادارے لوڈ شیڈنگ کے مسئلہ کو اجاگر نہیں کرتے پنجاب میں لوڈ شیڈنگ کے مسئلہ پر ہونے والے احتجاج اور عوام کی پریشانی کو نمایاں طور پر شائع کیا گیا ہے

۱۸ جون ۲۰۱۲ء کو روزنامہ "تلار" میں وفاقی وزیر سردار عمر گورگیج کو مبارکباد کے تین الگ الگ بیانات کو الگ الگ جگہ دی گئی ہے جبکہ شہ سرخی "پنجاب میں لوڈ شیڈنگ کے خلاف مسلم لیگ کی سربراہی میں احتجاج" کے حوالے سے ہے اسی روز کے اخبار میں خبر ہے کہ ''بلوچستان کے حالات مذاکرات سے ہی حل ہونگے اسرار زہری'' اسی روز مسلم لیگ (ن) کے سربراہ نواب ثناء اللہ کی خبر ہے لیکن اس میں جن الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے براہوی میں ان کا استعمال بہت ہی کم ہوتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''بلوچستان میں صحافیوں کا عدم تحفظ تشویش کی بات ہے''۔

روزنامہ "تلار" ۴ جون ۲۰۱۲ء کے اخبار میں سابق ڈپٹی چیئرمین سینیٹ جان جمالی کی خبر ہے جو مالی سال ۱۳-۲۰۱۲ء کے بجٹ پر ردعمل ہے انہوں نے اس کو الیکشن بجٹ قرار دیتے ہوئے امید ظاہر کی ہے کہ حالیہ بجٹ عوام کو بنیادی سہولیات کی فراہمی یقینی بنانے پر خرچ کیا جائے گا لیکن جو "تلار" نے سرخی نکالی ہے وہ ہے کہ ''بلوچستان کے حالات خراب کرنے میں سیکورٹی ادارے ملوث ہیں'' 4 جون کو "تلار" کی شہ سرخی وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کی ہے کہ ''بلوچستان میں نوجوانوں کو ۳۵ ہزار ملازمتیں دیں گے''

۱۵ جون کو صوبائی وزیر داخلہ میر ظفر اللہ زہری کی خبر ہے جو وفد سے ملاقات کی ہے موصوف بلوچستان نیشنل پارٹی عوامی کے رہنماء بھی ہیں ایک ہی موضوع پر دو الگ الگ خبریں جن کا متن یہ ہے کہ ''بی این پی عوامی بلوچ عوام کے حقوق کے حصول کیلئے عوامی و عملی جدوجہد کر رہی ہے''

موجودہ براہوی اخبار

- روزنامہ تلار

بلوچستان میں تنازعات اور صحافت

مجموعی طور پر بلوچستان کی صحافت میچور نہیں ہو سکی گو کہ پاکستان بالخصوص بلوچستان میں صحافت خطرناک ترین شعبہ قرار دیدیا گیا جہاں حقائق منظر عام پر نہ لانے کیلئے صحافیوں کو سیکورٹی اداروں، مسلح گروہوں اور مختلف سیاسی سماجی و مذہبی تنظیموں کی جانب سے دباؤ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے پیشہ وارانہ امور کی انجام دہی کے دوران بلوچستان کے مختلف اضلاع میں گذشتہ چند سال کے دوران ۲۳ صحافی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں صحافیوں کیلئے

مہلک ترین علاقوں کی فہرست میں بلوچستان پہلے نمبر پر ہے۔عسکریت پسندوں،سیکورٹی اداروں،سیاسی و مذہبی قوتوں کی جانب سے دھمکیوں،اغواقتل کے خطرات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔میڈیا جمہوریت کا سب سے بڑا ضامن ہے لیکن پروپیگنڈہ وار کے دور میں صحافت مشکل ترین پیشہ بن گیا ہے بگڑتے ہوئے حالات کے باوجود بلوچستان میں اردو بلوچی اور براہوی سمیت دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات حالات کی حساسیت کا ادراک نہیں کررہے بلکہ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ میں سب کچھ گڈمڈ ہورہا ہے،صرف کمرشل نظریہ سے رپورٹنگ کے منفی اثرت مرتب ہوتے ہیں ذمہ داری اور غیر ذمہ داری کی لکیر کا تعین کرنے سے متعلق بریکنگ نیوز کی دوڑ دوڑنے والے میڈیا سے نہیں اس لئے بلوچستان میں حالات کی نزاکت اور حساسیت کا ادراک رکھنے والے صحافیوں کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا اور قلم کے ہتھیار کا مؤثر و بہتر استعمال کرتے ہوئے معاشرے میں توازن،امن استحکام کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا ہوگا۔

بلوچستان کے سینئر صحافیوں کا شکوہ ہے کہ غیر تجربہ کار لوگوں کی اس شعبہ میں آمد نے اس کو انتہائی متاثر کیا ہے اور اس کے منفی اثرات سامنے آرہے ہیں مالک ایڈیٹر بھی ہیں اور معاوضہ بھی مناسب نہیں دیا جاتا جس کی وجہ سے کام اس سطح کا نہیں ہورہا اور زرد صحافت کے مرض نے پورے معاشرے کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔بلوچستان کے سنجیدہ صحافی حلقوں کے اس مؤقف سے اگر اتفاق کر بھی لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ روزنامہ "مشرق"،"جنگ" اور "ایکسپریس" میں تو یہ مسئلہ نہیں ہونا چاہیئے جو قومی اداروں میں شمار ہوتے ہیں وہاں بھی زبان اور خبر کے ڈھانچے پر توجہ نہیں دی جاتی مثال کے طور پر روزنامہ "سینچری ایکسپریس" میں مسلح تنظیموں کی یہ خبریں دیکھی جاسکتی ہیں جن میں کوئی ربط اور تسلسل نہ ہونے کے باوجود "ایکسپریس ا" ور "جنگ" میں مناسب کوریج دی گئی ہے،اسی طرح روزنامہ "مشرق" کوئٹہ کے فرنٹ پیج پر ۲۸ مئی ۲۰۱۲ء کو ایک خبر شائع ہوئی ہے جو بلوچستان نیشنل پارٹی کے سربراہ سردار اختر جان مینگل سے منسوب ہے۔ہزارہ ڈیموکریٹک پارٹی کے چیئرمین عبدالخالق ہزارہ کی قیادت میں وفد نے دبئی میں ان سے ملاقات کی مذکورہ خبر کے اگر ڈھانچے کو دیکھا جائے تو وہ ناقابل اشاعت ہے لیکن اس کے باوجود اس کے من وعن نہ صرف شائع کیا گیا بلکہ اس کی زبان واملا کو بھی درست کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی اس میں خبریت کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا۔اس حوالے سے سینئر صحافی مجیب احمد کا کہنا ہے کہ بلوچستان میں پیشہ ورانہ اور ذمہ دارانہ صحافت کے وجود نہ رکھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہاں اخباری مالکان کی جانب سے ایسے افراد کو بطور سب ایڈیٹر اور نیوز ایڈیٹر بٹھایا جاتا ہے جو صحافت سے نابلد ہے اس کو صرف اردو بولنا آتی ہے اور اردو لکھنا جانتا ہے ایک سب ایڈیٹر کے ذمہ اگر اخبار کے ایک صفحہ میں شائع ہونے والی ساٹھ سے ستر خبریں دی جائیں گی تو ظاہر ہے کہ پھر معیار نہیں ہوگا اور دوسرا یہ ہے کہ ہمارے پاس پیشہ وارانہ صلاحیتیں رکھنے والے افراد کی کمی اور عدم دستیابی ہے ایسا نہیں کہ بلوچستان میں باصلاحیت یا اسکلڈ لوگ نہیں سب کچھ موجود ہے اگر کسی اسکلڈ شخص کو رکھا جائے گا تو وہ بہتر معاضہ کا تقاضہ کرتا ہے جو ادارے کے مالکان دینے کو تیار نہیں''۔

بعض اہل علم و دانش افراد کا خیال ہے کہ بلوچ کرہ ارض کے مختلف حصوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ان مختلف علاقوں میں مقیم بلوچ باشندوں سے انٹرنیٹ کی کسی ویب سائیٹ پر رابطہ کر کے انہیں فکری لحاظ سے متحدہ پلیٹ فارم پر یکجا کیا جاسکتا ہے۔ان کی اہلیت صلاحیت وسائل سوچ تعاون اور اثر ورسوخ کو منظم ومجمع کر کے بلوچ قومی معیشت اور خارجہ تعلقات کے میدانوں میں غیر معمولی کامیابیاں حاصل کی جاسکتی ہیں۔دنیا بھر میں مقیم بلوچوں سے موثر رابطے قائم کرتے اور ان کے ساتھ قریبی تعلقات رکھتے ہوئے ان کی معاونت سے بلوچ آواز کو تیزی سے پوری دنیا میں موثر طریقے سے پھیلایا جاسکتا ہے۔بدقسمتی سے بلوچ جو کہ ایران،پاکستان،افغانستان،قزاقستان کے مختلف علاقوں میں سکونت رکھتے ہیں وہ اپنی انہی سرزمینوں پر آج تک ایک دوسرے سے موثر رابطے اور تعلقات پیدا نہیں کر سکے تو وہ باقی دنیا میں بکھرے بلوچوں سے بھلا کس طرح ہیلو ہائے پیدا کر سکتے ہیں۔یہ

ٹیکنالوجی اور گلوبل ولیج کا دور ہے۔ وہ زمانہ گیا جب کوئی کسی جانور پر مہینوں کی مسافت طے کرنے کے بعد کسی دوسرے علاقے میں کسی کے ہاں پہنچتا تھا۔ اب انٹرنیٹ سیٹلائٹ اور موبائل کا زمانہ ہے۔ بلوچوں کو ان سے بھی استفادہ لیتے ہوئے پوری دنیا میں بلوچوں کے باہمی رابطے کا کوئی موثر طریقہ اور ذریعہ بنانا چاہیئے۔

بلوچستان کے سینئر صحافی و تجزیہ نگار سلیم شاہد کہتے ہیں کہ ایک وقت تھا کہ ملک میں فوجی آمروں اور سول حکمرانوں کو آزاد صحافت کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا جاتا تھا لیکن ۲۰۱۲ء میں ملکی صحافت کو لاحق سب سے بڑا خطرہ حکمران طبقہ نہیں بلکہ پریشر گروپ اور مافیا ہیں۔ وہ بڑھتے ہوئے " کمرشلیزم " کو بھی صحافت کے لیے ایک خطرہ قرار دیتے ہیں جب کہ خود صحافیوں کے غیر ذمہ دارانہ اور غیر پیشہ وارانہ رویوں کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں آزادی اظہارِ رائے کی طرح نجی زندگی میں عدم مداخلت بھی عوام کا بنیادی حق ہے جس کا صحافیوں کو احترام کرنا چاہیئے پریس کی آزادی فرد کی آزادی سے منسلک ہے سلیم شاہد کے بقول صحافی خود بھی ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کرتے ہیں جس سے خبر کی حرمت پامال ہو رہی ہے۔ انکی رائے میں صحافت پر پولیس، حساس اداروں، فوج، لسانی اور سیاسی تنظیموں اور مافیاز کے ساتھ ساتھ ابلاغی اداروں کا مارکیٹنگ ڈپارٹمنٹ بھی اثر انداز ہو رہا ہے۔ وہ آزادی صحافت کو تکنیکی ترقی، صحافیوں کی جدوجہد اور ریاستی رویوں کی تبدیلی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ ملک میں آزادی صحافت کی موجودہ صورتِ حال اطمینان بخش نہیں ہے اور خطرات بدستور موجود ہیں جنہوں نے اپنی شکل تبدیل کر لی ہے۔ ماضی میں مقتدر قوتیں اخبارات کی سرخیاں تبدیل کراتی تھیں جب کہ اب حقائق تبدیل کرا کے ڈِس انفارمیشن پھیلائی جاتی ہے۔ انہوں نے صحافت میں " کمرشلیزم "" کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ جو ادارہ اشتہار دیتا ہے بیشتر ذرائع ابلاغ اس کے معاملات کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے ہیں ان کا کہنا تھا کہ آزادی صحافت کے لیے سب سے بڑا خطرہ خود صحافی بن چکا ہے جو خبر اور تبصرے کا فرق ملحوظ نہیں رکھتا۔ ان کے بقول موجودہ صحافت میں شفافیت کا فقدان ہے اور پیشہ ورانہ اہلیت اور معروضیت سے روگردانی کی جا رہی ہے۔ وہ اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ کسی بھی معاشرے میں جمہوریت کو ناپنے کا پیمانہ اظہارِ رائے کی آزادی ہے جو جمہوری معاشرے میں عوام کو حاصل دیگر تمام بنیادی حقوق، بشمول معاشی، سیاسی، سماجی آزادیوں کی ضامن ہے۔ تاہم ان کا خیال ہے کہ بلوچستان میں بلوچی اور براہوی زبان میں صحافت کے پروان نہ چڑھنے کی بنیادی وجہ زبان کا ذریعہ تعلیم نہ ہونا ہے اگر بلوچی اور براہوی بطور نصاب لازمی قرار دیا جاتا تو اس کے بہتر نتائج سامنے آتے اور آج ہمیں بلوچی اور براہوی زبان میں متعدد اخبارات اور رسائل ملتے لیکن اس پر توجہ نہیں دی گئی۔

سینئر صحافی و تجزیہ نگار عبدالخالق رند بھی اس سے اتفاق کرتے ہیں بلوچستان میں بلوچی اور براہوی کو نصاب میں شامل نہ کرنے کی وجہ سے بلوچی براہوی صحافت وفروغ نہیں مل سکا ان کا خیال ہے کہ ۱۹۸۸ء میں جب بلوچی زبان کو نصاب میں شامل کیا گیا اس عمل کو جاری رہنے دیا جاتا تو آج بلوچی زبان میں ایک روزنامہ کی جگہ کہیں زیادہ ہوتے لیکن ایک اخبار بھی محدود ہے ماضی میں ہمیں ان کی تعداد کہیں زیادہ ملتی ہے۔

عبدالخالق اس سے بالکل اتفاق نہیں کرتے کہ بلوچی اور براہوی کے لب و لہجے میں فرق کی وجہ سے صحافتی سفر میں کوئی رکاوٹ ہے ان کا کہنا ہے بلوچی بولنے والوں کی تعداد زیادہ ہے لیکن لکھنے اور پڑھنے والوں کی تعداد اتنی نہیں اور مسئلہ بلوچی کا ذریعہ نصاب کا نہیں وہ کہتے ہیں اس کے مقابلے میں سندھی میڈیا زیادہ مضبوط اور مستحکم ہے وجہ یہ ہے کہ سندھی نصاب میں شامل ہے وہاں سندھی لکھی، پڑھی اور بولی جاتی ہے جبکہ ہمارے ہاں بلوچی اور براہوی سے متعلق رویہ مختلف ہے۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ بلوچستان میں ذمہ دارانہ اور پیشہ ورانہ صحافت کے پروان نہ چڑھنے کی وجہ بلوچستان کے مخصوص حالات کے بعد جنم لینے کا خوف اور عدم تحفظ بھی ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی صحافی برادری بہت کچھ شائع کرنے اور لکھنے پر مجبور ہے لیکن اگر یہی صورتحال رہی اور اس کا تدارک نہ کیا گیا تو پھر صورتحال انتہائی گھمبیر ہوجائے گی ضرورت اس امر کی ہے کہ بلوچستان کو بہتر سمجھنے کیلئے بلوچستان میں ذرائع ابلاغ کا دائرہ وسیع کرنا ہوگا جس میں بلوچی اور براہوی کو بھی شامل کرنا ہوگا تاکہ ان لوگوں کی عام فہم زبان میں بات بہتر انداز میں سمجھائی جاسکے اس کیلئے بلوچی و براہوی زبان میں اخبارات کی اشاعت اور صحافیوں کو پیشہ ورانہ تربیت فراہم کرنے کی ضرورت ہے اس کے مثبت نتائج سامنے آسکتے ہیں جس کے بلوچستان اور ملکی حالات پر بھی مثبت اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔

پشتو پریس کی تاریخ اور موجودہ اخبارات اور رسالے

از شمیم شاہد

پشتو زبان کی تاریخ پرانی ترین تاریخوں میں سے ایک تصور کی جاتی ہے۔ یہ غلط نہ ہوگا کہ دوسری زبانوں کی طرح، پشتو میں صدیوں پرانا ادب موجود ہے۔ لیکن بدقسمتی سے کچھ وجوہات کی بناء پر پشتو ادب کو عالمی سطح پر فروغ نہیں دیا جاسکا۔

دراصل اس وقت پختون معاشی اور اسٹریٹیجک لحاظ سے دنیا کے اہم ترین حصے پر غالب ہیں اور خصوصاً یہ حصہ نہ صرف حملہ آوروں بلکہ ان مقامی لوگوں کے لئے "میدان جنگ "بنا رہا ہے جو حکومت کی خاطر ایک دوسرے سے نبرد آزما رہے ہیں۔ تاریخ یہ ظاہر کرتی ہے کہ الیگزینڈر دی گریٹ نے خصوصاً جنوبی ایشیاء کے اس خطے کو فتح کرنے اور اسے باقی ماندہ ایشیائی خطوں کی جانب جانے والا ایک آسان راستہ بنانے کے لئے بار بار کوشش کی تھی لیکن مقامی لوگوں نے الیگزینڈر کے لئے یہ کام بہت مشکل بنا دیا تھا۔ محمود آف غزنہ، مغلوں، سکھوں، مرہٹھوں اور یہاں تک کہ سابقہ برطانوی سامراجی حکمرانوں سے قبل مخالفین کی تاریخ بھی کچھ اس قسم کی رہی ہے۔

اس قسم کی مسلط کردہ جنگیں، حملے اور اندرونی تنازعات پختونوں کو تعلیم سے دور رکھنے کی وجہ بنے۔ ماضی میں تقریباً تمام پختونوں نے اپنی زیادہ تر طاقت حملہ آوروں سے جنگ کرنے میں گزار دی۔ دوسری طرف قائدین اور بزرگوں نے نوجوانوں کو تعلیم دینے اور ہنر سکھانے کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کیا اور معاشرے کے ارکان کے لئے زندگی کے بہتر امکانات کی فراہمی میں ناکام ہوگئے۔

تنازعات میں پیدا ہونے اور تعلیمی سہولیات سے محرومی کے باوجود، پختونوں نے نہ صرف اپنی بقاء کو یقینی بنالیا ہے بلکہ انہوں نے اپنے اچھے محدود ادب کے ذریعے اپنے ثقافتی اور روائتی معیار کو زندہ رکھنے کی کوشش بھی کی ہے۔

دیگر زبانوں کی طرح، پشتو ادب کی تاریخ بھی بہت زیادہ پیچیدہ ہے۔ کچھ عالم حضرات اور تاریخ دان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پشتو ادب کی تاریخ ۸,۰۰۰ سال سے زیادہ پرانی ہے، لیکن اس سلسلے میں کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں۔ جب کہ موجودہ زمانے میں تقریباً تمام پشتو دانشور اس بات پر متفق ہیں کہ امیر کرور پہلے پشتو شاعر تھے۔ ان کی ۱۳۹ ہجری میں تحریری شاعری اور ادب کے ثبوت دستیاب ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پشتو صحافت یا پشتو پریس کا آغاز امیر کرور سے ورثے میں ملنے والے ادب سے ہوگیا تھا۔

پشتو کو ایک عرصے تک افغانستان اور اس کے ملحقہ حصوں جو اب پاکستان کا حصہ ہیں، ایک اہم زبان کے طور پر تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ درحقیقت، برطانوی سامراجی حکمرانوں نے سابقہ روسی زار ز اور بعد ازاں روسی کمیونزم کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ سے جنگ کرنے پر آنکھیں لگا رکھی تھیں۔ ان بنیادوں پر، برطانوی سامجی حکمرانوں نے اٹھارویں صدی کے آواخر اور انیسویں صدی کے آوائل میں اپنے فوجی، سویلین افسران اور اہل کاروں کے لئے پشتو زبان کے لئے تحریری شرکت کی تھی لیکن پشتو کے ہاتھ سے تحریر کردہ مواد کو جمع کرنے اور اسے محفوظ رکھنے کا سہرا سابق برطانوی

افسران کے سر ہے۔ یہاں تک کہ ان افسران نے پشتو زبان کے فروغ کے لئے بھی کوششیں کی تھیں۔

ملکہ وکٹوریہ کے فوج کے ایک افسر، میجر روارتی نے کلکتہ، آگرہ، ممبئی، جالندھر اور پشاور میں خدمات انجام دی تھیں۔ انہوں نے پشتو زبان کا ہاتھ سے تحریر کردہ کچھ مواد حاصل کیا تھا۔ ہاتھ کے تحریر شدہ ایسے مواد کو یقینی طور پر پشتو ادب، تاریخ اور شاعری کا بڑا خزانہ تصور کیا جاتا ہے۔

بعد ازاں ایسے مواد سے مستفید ہوتے ہوئے، میجر روارتی نے ۱۸۵۶ء میں اللہ یار کی کتاب "عجائب اللغت" سے ایک پشتو لغت، نواب محبت خان کی "ریاض الصحابہ" (محبت خان نے پشاور کے گورنر کی حیثیت سے خدمات انجام دی تھیں) سے اخذ کرتے ہوئے پشتو گرائمر ۱۸۵۶ء، گلشن رووا، یوسف اور بائیبل کا پشتو ترجمہ تصنیف کیا۔ میجر روارتی کو پشتو ٹائپنگ کا بانی بھی تصور کیا جاتا ہے اور انہوں نے ہارٹ فورڈ میں ایک علیحدہ فاؤنڈری بھی قائم کی تھی۔

ان بنیادوں پر، میجر روارتی نے اپنے آپ کو پشتو زبانوں کا پہلا مصنف منوایا۔ لیکن بعد ازاں بہت سے مغربی لکھاریوں نے ان کی تقلید کی جن میں فرانس کے جیمز ڈارمسٹیٹ شامل تھے جنہوں نے پشتو ادب، تاریخ اور شاعری پر "چانٹس دیس" تحریر کی۔ برطانیہ کے ہنری والٹر بالیلو نے پشتو زبان میں ایک گرائمر تصنیف کی اور جرمن لکھاری برنارڈ دوران نے پشتو رشیئن لغت مرتب کی تھی۔

ناروے کے مورگن سٹرن، جنہوں نے اوسلو یونیورسٹی میں خدمات انجام دیں اور کچھ برسوں کے لئے افغانستان میں رہے، نے خوشحال خان خٹک کے بارے میں کتاب لکھنے والے سب سے پہلے مصنف ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ کیپٹن وولف، ٹام انچ، جرمنی کے گیگر، میجر راس کیپل، میجر کوکاس، لاری مار، کلبرسٹن، پروفیسر برٹلر، لابی دیو، ڈاکٹر گریسان، مالیوی آن وغیرہ وغیرہ نے ان کی تقلید کی۔ ان میں سے کچھ نے بائیبل کا بھی پشتو زبان میں ترجمہ کیا جب کہ کچھ روسی عالموں نے پشتو ادب کا روسی زبان میں ترجمہ کیا۔

رسمی پشتو، پریس پشتو، اخبارات اور رسالے

اگرچہ پختون دانشوروں نے ماضی میں ہاتھ سے تحریر کردہ کتابیں تصنیف کی ہیں، لیکن ان میں سے زیادہ تر کتابیں شاعری، کہانیوں، افسانوں اور یہاں تک کہ ادب سے بھی متعلق تھیں۔ برصغیر میں بولی جانے والی دیگر زبانوں کا بھی یہی حال تھا۔ سابقہ برطانوی سامراجی حکمرانوں کی آمد کے ساتھ مقامی لوگوں کی سماجی، معاشی زندگی پر مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ برصغیر میں داخل ہونے کے ساتھ، برطانوی حملہ آوروں نے یا تو مغل بادشاہوں کو ان کے لئے میوزیکل چیئرز خالی کرنے یا مسلح حملوں کے لئے تیار رہنے پر مجبور کیا۔ ان میں سے کچھ افسران نے پشتو کے لئے ضرورت سے زیادہ اپنی محبت کا اظہار کیا۔ پشتو میں کتابیں لکھنے اور انگریزی کتابوں کا پشتو میں ترجمہ کرنے کے علاوہ، انہوں نے پشتو زبان میں کتابیں اور مختصر کہانیاں تصنیف کرنے میں کچھ لکھاریوں اور دانشوروں کی حوصلہ افزائی بھی کی۔

۱۔ سراج الاکبر

محمود ترزئی، جنہوں نے بعد ازاں افغانستان کے وزیر خارجہ اور وزیر اعظم کی حیثیت سے خدمات انجام دیں ۱۹۱۱ء میں کابل سے پہلے پشتو

اخبار "سراج الاکبر" کا اجراء کیا۔ یہ اخبار لیتھو پریس پر شائع کیا گیا اور پختونوں میں بہت زیادہ مقبول رہا۔ ان وجوہات کی بناء پر محمود ترزئی کو پشتو صحافت کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔

۲۔ افغان

راحت ذخیلی اس خطے کے پہلے وہ فرد تھے جنہوں نے پشاور سے رسمی طور پر پشتو کا ایک ہفت روزہ "افغان" شائع کیا۔ ان وجوہات پر، راحت ذخیلی پشتو زبان کے پہلے صحافی قرار پائے۔ تاہم، محدود وسائل اور ادارتی عملے کی کمی کی وجہ سے "افغان" کی اشاعت بے قاعدہ رہی۔ خود راحت بھی ایک افسانہ نگار تھے۔

۳۔ الجہاد

"الجہاد" کو ہاتھ سے تحریر کردہ سب سے پہلا ایک صفحے کا اخبار تصور کیا جاتا ہے جس کا اجراء عبدالغفار پشاوری نے کیا تھا۔ بعدازاں یہ اخبار لیتھو پریس پر شائع ہوتا رہا اور بہت مقبول ہوا لیکن یہ اپنی بقاء کو قائم نہ رکھ سکا۔

۴۔ المجاہد

"المجاہد" ثمرقند کی اشاعت کا آغاز ۱۹۲۲ء میں ہوا۔ ثمرقند باجوڑ کا ایک علاقہ ہے اور اس میگزین کا مقصد اس مخصوص خطے میں روسی سوشلزم کے خلاف کام کرنا تھا۔

۵۔ ہفت روزہ سرحد

"سرحد" اردو اور پشتو، دو زبانوں کا ہفت روزہ بن گیا۔ بعدازاں اس میگزین نے روزنامے کی شکل اختیار کر لی اور یہ اب بھی پشاور سے شائع کیا جاتا ہے۔

۶۔ پختون

آزادی کی جنگ لڑنے والے خان عبدالغفار خان جیسے عرف عام میں باچا خان کے نام سے جانا جاتا ہے، نہ صرف ایک سیاست دان تھے بلکہ انہیں اصلاح نگاروں میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔ وہ پختونوں میں تعلیم اور آگہی کا پرچار کر رہے تھے۔ تحریک افغانہ اور بعدازاں خدائی خدمت گار تحریک قائم کرنے کے ساتھ، انہوں نے پشاور سے "پختون" کے نام سے ایک میگزین کا اجراء بھی کیا۔ "پختون" نے آزادی کی تحریک اور اس کے ساتھ ساتھ پختونوں کی سماجی و سیاسی اصلاحات میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ سابق سامراجی حکمرانوں نے "پختون" کو کئی بار بند کیا اور پابندیاں لگائیں۔ تاہم ۱۹۹۴ء میں جب عوامی نیشنل پارٹی نے باچا خان مرکز تعمیر کر لیا تو انہوں نے "پختون" کے لئے ایک دفتر کا افتتاح کیا اور اب بھی یہ ماہانہ میگزین پشاور سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔

۷۔زاغ

"زاغ" کا مطلب آواز ہے،اس نام سے اخبار کا اجراء سابقہ بادشاہ "غازی امان اللہ خان" نے کیا۔خان عبدالغفار خان کے مطابق، غازی امان اللہ "زاغ" کو اس وقت عوام کے سامنے لایا جب مُلا اور برطانوی سامراج کی مدد سے ان کی حکومت کے خلاف سورش اُٹھی تھی۔امان اللہ خان نے اس اخبار کو تمام سرکاری اہل کاروں کے لئے پشتو میں پڑھنے اور لکھنے کا حکم دیا تھا۔تاہم،نویں ایڈیشن کے بعد "زاغ" بند ہو گیا۔

۸۔پشتو اخبارات اور رسالے (۱۹۲۵ء۔ ۱۹۳۵ء)

۱۹۲۵ء۔۱۹۳۵ء کے دوران پاک بھارت برصغیر میں پشتو میں بہت سے اخبارات اور میگزین شائع ہونے شروع ہوئے۔درحقیقت، پہلی جنگ عظیم کے بعد سابقہ سامراجی حکمرانوں نے برصغیر سے رخصت ہونے کا سوچ لیا تھا۔چنانچہ آزادی کی جنگ لڑنے والوں اور سیاست دانوں نے بھی آزادی کے لئے اپنی کوششوں کو تیز کر دیا تھا جبکہ اس سطح پر وہ مسلمان جو آل انڈیا مسلم لیگ میں غالب تھے،انہوں نے برصغیر میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو یکجا کرنے کی کوششوں کا آغاز کر دیا تھا۔ان وجوہات کی بناء پر کچھ مسلمان دانشوروں نے اپنے رسالے اور اخبارات نکالنے پر اپنی توجہ مرکوز کر دی تھی۔ نئی دہلی ،کلکتہ ،ڈھاکہ اور لاہور کے بعد،پشاور برصغیر میں سیاسی سرگرمیوں کا ایک پانچواں نہایت اہم مرکز تھا۔ان وجوہات کی بناء پر ،پشتو اخبارات،رسالے،لیف لیٹس اور نیوز بلیٹنز کی ایک بڑی تعداد کا پشاور سے آغاز ہوا۔ان میں سے زیادہ تر مطبوعات اردو میں تھیں۔تاہم ان میں کچھ ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہنامے اور سہ ماہی جرائد پشتو میں شائع ہوتے تھے۔

پشتو اشاعتوں میں سے "سرفروش" نے ۲۹۔۱۹۲۸ء میں اپنی اشاعت کا آغاز کیا۔جب کہ "افغانستان" نے ۱۹۲۹ء میں پشتو زبان میں لاہور سے اشاعت کا آغاز کیا۔"پختون" کے علاوہ،خدائی خدمت گار نے ۱۹۳۰ء میں "سرخ پوش" (سرخ یونیفارم) کی اشاعت کا آغاز کیا۔ماہنامہ "سترے ماشے" (تھکومت) ۳۱۔۱۹۳۰ء میں،"انگار" ۱۹۳۲ء میں ہفت روزہ "الوحدت" نے ۱۹۳۳ء میں اپنی اپنی اشاعت کا آغاز کیا۔

اس عرصے کے دوران ،کوئٹہ سے بہت سے پشتو ہفت روزہ اور ماہناموں نے اپنی اشاعت شروع کی۔جبکہ ڈیرہ اسماعیل خان ،مردان، سوات، بنوں،کوہاٹ،اٹک اور میانوالی سے چھوٹی سطح پر نیوز لیٹر شائع ہوئے۔تاہم ان میں سے بہت سی اشاعتیں جاری نہ رہ سکیں۔

جبکہ ہفت روزہ "حیواد" نے دو عشروں تک اپنی اشاعت جاری رکھی۔بعد ازاں "حیواد" پشاور سے شائع ہونے والا روزنامہ بن گیا لیکن مالی بحران کی وجہ سے اس کی اشاعت رک گئی۔"حیواد" کا ڈیکلریشن اب سلطان محمد صابر مرحوم کے نام پر ہے۔

ہفت روزہ "الواحدت" کے بعد، بہت سے رسالے جیسا کہ ۱۹۳۴ء میں "شعلہ" اور "آزاد پختون"، ۱۹۳۵ء میں "زلمے پختون" اور "ریشتینے خدائی خدمت گار"، ۱۹۳۵ء میں "رہبر"، ۱۹۳۸ء میں "وطن" اور "لامبا"، ۱۹۳۹ء میں "نوجوان"، "غنچہ"، "لار"، "امن"، "عدل" وغیرہ شائع ہوئے۔جبکہ ۴۰ کی دہائی پشتو اخبارات اور میگزینز کی دہائی قرار پائی۔

"مشرق"، "شہباز"، "احسان"، "انجام" اور "بانگ حرم" جیسے اردو اخبارات نے اپنی اشاعت کا آغاز کیا۔ان میں زیادہ تر اخبارات پشتو

اوراردو زبانوں میں تھے۔ان میں کچھ اخبارات بند ہو چکے ہیں۔

آزادی کے بعد "الجمیعت سرحد"، "الفلاح"، "ترجمان افغان" اور دیگر اشاعتوں کا آغاز ہوا۔ان اخبارات میں سے روزنامہ "شہباز"، "مشرق"، "الفلاح" اور "الجمیعت سرحد" نے کافی عرصہ تک اپنی اشاعت جاری رکھی۔ "مشرق" کے سوا، یہ تمام اخبارات زیادہ تر نظموں اور غزلوں پر مشتمل پشتو کے ایک یا دو صفحات باقاعدگی سے شائع کر رہے تھے جبکہ روزنامہ "شہباز" نیشنل عوامی پارٹی کی آواز کے طور پر پشتو زبان میں مضامین شائع کرتا رہا۔

دیگر بڑے اخبارات کی طرح روزنامہ "مشرق" پشاور، ۶۰s کے آوائل میں حکومت کی جانب سے نیشنل پریس ٹرسٹ کے قیام کے بعد سرکاری اخبار بن گیا اور اس نے اردو میں اشاعت شروع کر دی۔

۹۔الوحدت

ہفت روزہ "الوحدت" ایک منفرد تاریخ کا مالک ہے۔جس کا آغاز ۱۹۳۳ء میں کیا گیا جو ۱۹۸۵ء تک جاری رہا۔۱۹۸۵ء میں ہی یہ ہفت روزہ ایک شاعر اور براڈ کاسٹر پیر سفید شاہ ہمدری کے پاس چلا گیا۔

اس کے مالکانہ حقوق حاصل کرنے کے بعد پیر سفید شاہ ہمدری نے اس کا نام "وحدت" رکھتے ہوئے روزنامے کے حیثیت سے اس کی اشاعت شروع کر دی۔حالانکہ ہفت روزہ "حیواد" کو پشتو کے پرانے ترین ہفت روزوں میں شمار کیا جاتا تھا لیکن وحدت کو پہلے باقاعدہ پشتو روزنامے کا آغاز ہوا۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ برصغیر کی تقسیم کے بعد اردو کو سرکاری زبان قرار دیئے جانے کی وجہ سے پشتو نے اپنا اثر و رسوخ کھونا شروع کر دیا تھا، اس کو اختیاری مضمون بنا دیا اور اردو کو سکولوں اور کالجوں میں پڑھائی کا ذریعہ قرار دے دیا گیا۔تاہم کچھ قوم پرستوں نے پشتو کے فروغ کے لیے کوششیں جاری رکھیں روزنامہ "شہباز" اور بہت سے دیگر اخبارات کے علاوہ، دانشوروں اور عالموں نے بھی ہفت روزہ اور ماہناموں میں اپنے مخصوص خیالات کا اظہار کرنے پر توجہ مرکوز کی۔

لیکن روزنامہ "وحدت" پشتو صحافت کو فروغ دینے کا باعث بنا۔خیبر پختونخواہ اور فاٹا کے لوگوں کے درمیان پشتو قارئین میں کمی پیدا ہو رہی تھی لیکن یہ حوالہ دینا بہت تکلیف دہ ہے کہ اس عرصے کے دوران، لاکھوں افغانیوں نے اپنے گھروں کو چھوڑ دیا اور ہجرت کرتے ہوئے پاکستان آ گئے۔ ان میں سے زیادہ تر خیبر پختونخواہ فاٹا میں رہائش پزیر رہے۔افغانی پشتو اور دری زبانوں سے آشنا تھے، جب کہ سرپرست یعنی امریکہ کی سربراہی میں اتحادی بڑی سطح پر متحرک ہونے کے لئے کوشاں تھے، جو صرف میڈیا کے ذریعے ہی ممکن تھا۔

پاکستان کی طرح، افغانیوں کی شرع خواندگی بہت مایوس کن تھی۔چنانچہ پاکستان براڈ کاسٹنگ کارپوریشن (بی، بی، سی)، وائس آف امریکہ،

ریڈیو جرمنی، ریڈیو فرانس اور ریڈیو بیجنگ نے بھی افغانیوں کے لیے پشتو اور دری خصوصی نشریات کا آغاز کیا۔ یہاں تک کہ ریڈیو ٹوکیو بھی پشتو اور دری خصوصی نشریات کی دوڑ میں شامل ہو گیا۔

لاکھوں افغان مہاجرین کی موجودگی کی وجہ سے "وحدت" نے کچھ ہی دنوں میں اپنے ہزاروں قارئین پیدا کر لیے۔ چار صفحات پر مشتمل یہ اخبار افغانیوں کی زندگیوں کا معمول بن گیا۔ تمام جہادی گروپوں کے قائدیں اور نمائندوں نے بھی مہاجرین نے اپنے اثر رسوخ کو بڑھانے کے لیے روزنامہ "وحدت" کی خدمات کو استعمال کرنا شروع کیا۔

افغانستان کی مزاہمتی قوتوں، فوج اور سیاسی سرگرمیوں سے متعلق خبریں شائع کرنے کے ساتھ ساتھ روزنامہ "وحدت" نے قوم پرستوں اور بادشاہت کے حامیوں کو بھی مناسب کوریج دی تھی۔ جو افغان تنازعے کے دوران بچھڑ جانے والے خاندانوں کو دوبارہ آپس میں ملانے میں بھی قابل قدر قرار دادا کیا۔

روزنامہ "وحدت" نے مقامی شاعروں اور دانشوروں کو نی صرف اپنے خیالات فروغ دینے کا موقع فراہم کیا بلکہ پشتو زبان احیاء اور تحفظ میں قوم پرستوں کو بھی سہولت فراہم کی۔ اب روزنامہ "وحدت" مقامی آبادی کے قارئین کے ایک مناسب تعداد کو اپنی خدمات فراہم کر رہا ہے۔ آج کل روزنامہ "وحدت" باقاعدہ ٦ صفحات پر مشتمل پشتو اخبار ہے جو پاکستان اور افغانستان میں پیش آنے والے واقعات کو مساوی اہمیت فراہم کر رہا ہے۔

١٠۔ "بعداز وحدت"

انیسویں صدی کے درمیانی عرصے میں ہفت روزہ "حیواد" نے پشاور کے ایک پشتو روزنامے کی شکل اختیار کر لی۔ روزنامہ "وحدت" کی نسبت اس کی پالیسی ترقی پسند اور جمہوری حلقوں کی حمایت کرنا تھی۔ اس نے روزنامہ "وحدت" کو چیلنج کیا لیکن بدقسمتی سے، "حیواد" اپنی جڑوں کو مضبوط کرنے میں ناکام رہا اور دو برسوں کے بعد اس کی اشاعت روک دی گئی۔

اس مرحلے پر اردو روزنامہ "جہاد" کی انتظامیہ نے چار صفحات پر مشتمل پشتو روزنامہ "اتحاد" نکالنے کی کوشش کی جو اب بھی شائع ہو رہا ہے، لیکن اس کی سرکولیشن اور مقبولیت بہت کم ہے۔

١١۔ روزنامہ "خبرونہ"

چار صفحات پر مشتمل ایک مکمل پشتو اخبار ہے اس نے ٩/١١ کے سانحے کے بعد اپنی اشاعت کا آغاز کیا تھا۔ یہ روزنامہ ایک اردو روزنامے "صبح" کا ہم عصر ہے اور پشاور سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ "وحدت" کی نسبت اس کا نقطہء نظر جمہوری اور ترقی پسندانہ ہے۔

١٢۔ روزنامہ "پشتون پوسٹ" اور "جرگہ"

یہ دو اخبارات پشتو پریس کے انتہائی نئے ایڈیشن ہیں۔ فروری ٢٠٠٨ء کے عام انتخابات کے فوراً بعد "پشتون پوسٹ" نے اپنی اشاعت کا

آغاز کیا۔ یہ اردو روزنامہ "عوام الناس" کی انتظامیہ کی مشترکہ پیشکش ہے۔اور باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے۔لیکن اس کی مقبولیت چند سرکاری محکموں تک محدود ہے۔

۱۳۔"جرگہ"

اس نے ۲۰۱۰ء کے آخر میں اپنی اشاعت کا آغاز کیا تھا۔"وحدت" اور دیگر اخبارات کی نسبت روزنامہ "جرگہ" شروع میں ۴ صفحات پر مشتمل ایک معیاری اخبار تصور کیا جاتا تھا لیکن بعدازاں اس کے مالکان نے اس کی سرکو محدود کر دیا اور ۴ سے ۶ صفحات پر مشتمل ہو گیا۔

۱۴۔روزنامہ "قدرت"

پشتو کا اخبار ہے جو کوئٹہ سے پورے بلوچستان اور افغانستان کے شمالی علاقوں میں قارئین کی ایک اچھی خاصی تعداد میں پڑھا جاتا ہے۔

۱۵۔ہفت روزہ "بدلون"

مردان سے شائع ہوتا ہے۔

۱۶۔نورالبشر نوید

باقاعدگی سے "لیک وال" شائع کر رہے ہیں۔

۱۷۔"پاسون"

ایک مقبول پشتو میگزین جسے ڈاکٹر اسرار شائع کرتے ہیں۔

۱۸۔"وطن" اور "مشعل"

ان کا شمار بھی مقبول میگزینز میں ہوتا ہے۔

افغانستان میں پشتو پریس

پاکستان کے برعکس افغانستان میں پشتو پریس بہت مقبول ہے۔جبکہ سابقہ وزیراعظم محمود ترزئی کو پشتو صحافت کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ پہلے پشتو اخبار "سراج الاخبار" نے ۱۹۱۱ء میں اپنی اشاعت کا آغاز کیا تھا جس کے بعد پشتو اخبارات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ان میں سے ایک اصلاح پسند اور ترقی پسند بادشاہ غازی امان اللہ کا اخبار "زاغ" بہت مقبول ہوا لیکن اس اخبار کو مذہبی ذہن کے مالک لوگوں اور ان کے مولویوں نے زبردستی بند کروا دیا۔انہوں نے "زاغ" کو اسلام کے خلاف قرار دیا۔تاہم "زاغ" اور "سراج الاخبار" سے معتدد حلقوں کے درمیان ایک دوڑ کا آغاز ہو گیا جو اب تک جاری ہے۔

۱۹۳۳ء سے ۱۹۷۳ء تک، افغانستان میں پریس کو سختیاں برداشت کرنا پڑیں کیونکہ دیگر ہمعصروں کی طرح بادشاہ ظاہر شاہ آزادی دینے سے گھبراتے تھے، تاہم کچھ قوم پرست اور اسلامی ذہنیت کے مالک حلقوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ "**صلح**"، "**انیس**"، "**افغان**"، "**جرگہ**"، "**وطن**"، "**ملت**"، "**جیواد**"، "**مبارض**"، "**وطن افغان**"، "**اسلام**"، "**مسلمان**" اور بہت سے دیگر اخبارات شائع ہوتے رہے اور افغانستان میں ان کی سرکولیشن جاری رہی۔

پاکستان کی نسبت افغانستان میں پریس ایک طویل مدت تک نثر کے زیر اثر رہا۔ اخبار کے تمام صفحات لمبے لمبے مضامین اور افسانوں سے بھرے ہوتے تھے۔ خبروں کا حجم محدود ہوتا تھا جب کہ خبروں کے زیادہ تر صفحات حکمرانوں، سیاستدانوں یا مولویوں کے تقریری تفصیلات سے بھرے ہوتے تھے۔

تاہم افغانیوں نے سابق سوویت فوجوں لے حملے کے بعد باقی ماندہ دنیا کو دیکھا اور تجربہ حاصل کیا، اور تازہ ترین خبروں اور تجزیات سے بھرے روزانہ شائع ہونے والے اخبارات سے مانوس ہو گئے۔ ان وجوہات کی بناء پر، جب کچھ افغان شہری طالبان کے حکومت کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے۔ تو انہوں نے روزانہ اور ہفتہ وار اخبارات شائع کرنے کی کوشش کی۔

ایسے اخبارات نہ صرف کابل میں بلکہ تقریباً ۳۴ صوبوں کے ہیڈ کوارٹرز میں بھی مقبولیت حاصل کر رہے ہیں۔ "**افغانستان**"، "**انیس**"، "**ملت**"، **جمہوریت**"، "**آئینہ**"، اور بہت سے اخبارات شائع ہو رہے اور پورے افغانستان میں ان کے سرکولیشن جاری ہے۔

الیکٹرانک میڈیا

ریڈیو کو میڈیا کا انتہائی با اثر اور موثر ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ ریڈیو نے پشتو پریس کے فروغ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے ۱۹۲۰ء میں کابل میں پہلا ریڈیو ٹرانسمیٹر قائم کیا گیا تھا۔ جب کے بادشاہ غازی امان اللہ خان نے ۱۹۲۵ء میں اپنے کابل کے محل میں ۸۳۳ "اے ایم" پر چلنے والا ۲۰۰ واٹس کا روسی ٹرانسمیٹر نصب کیا تھا نشریات پشتو اور دری دونوں زبانوں میں ہوتی تھیں، جب کہ بادشاہ کی اصلاحات کے حق میں کی جانے والی کمنٹریوں میں روزانہ کے خبریں اور تازہ ترین واقعات بھی شامل ہوتے تھے۔ اس ٹرانسمیٹر کا بادشاہ نادر شاہ نے ۱۹۳۱ء میں اس وقت تبدیل کر دیا تھا جب انہوں نے ۶۰۰ KHz پر چلنے والا ۲۰ کلوواٹ کا ٹرانسمیٹر نصب کروالیا تھا۔

سب سے پہلے مکمل پشتو ریڈیو اسٹیشن کا آغاز ۱۹۳۵ء میں آل انڈیا ریڈیو پشاور کی حیثیت سے کلمہ توحید کے ساتھ ہوا تھا۔ پشاور ریڈیو میں زیادہ سے زیادہ نشریات اردو میں ہوتی تھیں لیکن بہت سے گھنٹوں پر مشتمل پشتو نشریات پورے خطے میں مقبول ہو گئیں تھیں۔ اس پر ریڈیو دہلی نے بھی ایک گھنٹے کی پشتو نشریات کا آغاز کر دیا تھا۔ جسے بعد میں بڑھا کر دو گھنٹے (ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ شام) تک کر دیا گیا تھا۔ ریڈیو دہلی کی پشتو نشریات اب تک جاری ہیں جب کہ یہ نئے پشتو اور اردو گانے بھی نشر کرتا ہے۔

آزادی کے بعد کوئٹہ میں ایک اور ریڈیو سٹیشن کھولا گیا اور اس سے بھی خبریں، حالات حاضرہ اور تفریحی پروگرام نشر کئے جاتے رہے۔

امریکہ اور روس کی جنگ

سابق سوویت یونین کا افغانستان پر حملے کے بعد، بہت سے بین الاقوامی ریڈیوز نے پشتو نشریات کا آغاز کر دیا تھا۔ ان میں بی بی سی، وائس آف امریکہ، ریڈیو فرانس، ریڈیو جرمنی، ریڈیو بیجنگ وغیرہ شامل تھے۔

افغانستان کے سابق وزیر داخلہ علی احمد جلالی، جو پیشے کے اعتبار سے فوجی جرنیل تھے، نے اپنے آپ کو بین الاقوامی سطح کے براڈ کاسٹر کی حیثیت سے منوایا۔ انہوں نے وائس آف امریکہ میں وسطی ایشیائی اور جنوبی ایشیائی خطوں کے سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

بعد از ۹/۱۱

اس وقت پاکستان اور افغانستان دونوں کی صرف سرحدی خطوں میں ۵۵ کے قریب ایف ایم ریڈیو اسٹیشنز قائم ہیں۔ یہ ریڈیوز زیادہ تر پشتو میں نشریات جاری کرتے ہیں۔ جب کہ خیبر پختون خواہ کی حکومت اور مسلح افواج نے پشاور، مردان، سوات، وزیرستان، کرم، خیبر، باجوڑ اور اہم شہروں اور قصبوں میں بہت سے ایف ایم ریڈیو اسٹیشن قائم کر رکھے ہیں۔ ریڈیو براق، ریڈیو دلبر، ریڈیو امن اور دیگر نجی حیثیت میں کام کر رہے ہیں۔

القاعدہ اور پابندی کا شکار تحریک طالبان سمیت بہت سی مذہبی تنظیموں سے منسلک انفرادی لوگ بھی مختلف علاقوں میں غیر قانونی ایف ایم ریڈیو اسٹیشنز چلا رہے ہیں۔ ایسے ریڈیو حکومت کے وفادار افراد کو دھمکیاں دینے کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں۔

ٹیلی ویژن

۱۹۶۴ء میں پاکستان ٹیلی ویژن پشاور سینٹر فوٹ روڈ پر کھولا گیا تھا۔ اس کے زیادہ تر پروگراموں کو راولپنڈی میں ریکارڈ کیا جاتا تھا لیکن انہیں پشاور سے چلایا جاتا تھا۔ پشتو میں خبروں اور رائے عامہ جیسے حالات حاضرہ کے علاوہ، بھی پی ٹی وی پشاور ایک تفریحی چینل بھی تھا۔ بعد ازاں پی ٹی وی پشاور کو پشاور مال پر اپنا سینٹر مل گیا تھا اور اب اسے آلات سے اچھی طرح اراستہ ٹیلی ویژن سینٹر تصور کیا جاتا ہے۔

۷۰ کے آوائل میں ریڈیو کابل نے کابل ٹیلیویژن کا بھی آغاز کر دیا۔ خبروں، رائے عامہ اور اعلانات جیسے چند پروگراموں کے علاوہ، اس کے زیادہ تر پروگرام سابق سوویت یونین کے ٹیلی وژن سینٹرز کی ری پروڈکشن تھے۔

۹/۱۱ کے فوری بعد ٹیلی ویژن نے ایک اور رجحان اپنا لیا۔ پاکستان اور افغانستان دونوں جگہوں پر ایک بڑی تعداد میں نجی ٹی وی چینلز کھل گئے۔ اے وی ٹی، خیبر آف پاکستان، شمشاد، لامار، آریانہ، تالو اور آر ٹی اے کابل بہت مقبول پشتو چینلز بن کر ابھرے جب کہ جرمنی ریڈیو، بی بی سی، وائس آف امریکہ کا آشنا، پشتو نشریات کے لئے بڑے مقبول بین الاقوامی ٹی وی چینلز بن گئے۔

یہ تذکرہ کرنے میں کوئی شک نہیں ہے کہ پشاور، کوئٹہ اور کابل میں قائم کردہ پشتو اکیڈمیز نے پشتو زبان خصاصاً پشتو پریس کے فروغ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ پشاور میں پشتو اکیڈمی ۱۹۵۰ء میں مولانا عبدلقادر نے قائم کی تھی۔ بعد ازاں یہ اکیڈمی ۱۹۵۲ء میں قائم ہونے والی پشاور یونیورسٹی

انسٹی ٹیوٹ میں تبدیل ہوگئی۔ جبکہ کوئٹہ میں پشتو اکیڈمی ۵۰ کے آوائل میں قائم کی گئی۔ کابل میں پشتو اکیڈمی ۴۰ کے آوائل میں کھولی گئی لیکن کہیں ۵۰ کے وسط میں جا کر سرگرم ہوئی۔ ان تینوں اکیڈمیز نے کتابوں اور ریسرچ پیپرز کی اشاعت میں قابل قدر حصہ لیا۔

پشتو کے موجودہ اخبارات اور رسالے

- ماہانہ میگزین پختون
- ماہانہ لیک وال
- ماہانہ مشعل
- ماہانہ وطن
- ہفت روزہ سرحد
- ہفت روزہ بدلون
- روزنامہ واحدت
- روزنامہ خبرونہ
- روزنامہ پشتون پوسٹ
- روزنامہ جرگہ
- روزنامہ قدرت

پشتو کے موجودہ اخبارات جو افغانستان میں جاری ہیں

- روزنامہ انیس
- روزنامہ ملت
- روزنامہ افغانستان
- روزنامہ جمہوریت
- روزنامہ آئینہ

اختتامیہ

دیگر علاقائی پریس کی طرح، پرنٹ اور الیکٹرونک دونوں پشتو پریس حالات حاضرہ کے واقعات کو زیادہ سے زیادہ کوریج دے رہے ہیں۔ جبکہ اس کا نقطہ نظر مکمل طور پر جارحانہ اور منفی ہے کیونکہ یہ تشدد، جارحیت اور تنازعتی واقعات کو نمایاں طور پر پیش کرتا ہے۔ پشتو کے کچھ اخبارات نثر اور ادب کو مناسب جگہ دے رہے ہیں لیکن زیادہ تر ادب تاریخ یا ماضی کے واقعات پر مبنی ہے۔ اخبارات میں اشتہارات کی بھرمار ہوتی ہے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے اخبارات اشتہارات کے فروغ کا ذریعہ بن چکے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ پشتو زبان کو اتنا فروغ نہ مل سکا۔ پشتو زبان میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن نسبتاً زیادہ

دیکھے اور سنے جاتے ہیں۔تاہم نجی اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی چینلز کی نسبت، پاکستان اور افغانستان دونوں کا سرکاری سرپرستی میں چلنے والا میڈیا متوازن ہے۔سرکاری سرپرستی میں چلنے والا میڈیا حکومتی سرگرمیوں اور کامیابیوں کو بھرپور کوریج دیتا ہے۔پشتو اخبارات کے قارئین اور ان کی سرکولیشن میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے اور اخبار مالکان اور ادارتی منیجرز مقابلے کی اس دوڑ میں بہت آگے ہیں۔رپورٹرز اور ایڈیٹرز جیسے پشتو لکھاریوں کی تعداد بھی حوصلہ افزا ہے۔

خان عبدالغفار خان کے حالات زندگی "زمہ زوینڈ آجدو جہاد"
سحر گل سحر کی "پوہانہ پشتو ادب" سے اقتباسات
صوفی جمعہ خان کی "افغانستان: ایک تاریخی فیکٹ شیٹ"
خیبر پختون خوا میں پریس کی تاریخ
پشتو روزنامہ "وحدت" اور "شہباز" کی فائلیں

سرائیکی صحافت۔حاصل مطالعہ

تحریر:ظہوردھریجہ

معاون:طاہرلطیف

سرائیکی زبان کو پاکستان کی قومی زبانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔مگر وہ سارے صوبوں میں بولی اور سمجھی جانے والی ایک وسیع زبان ہے۔جب کہ سندھی کو سرائیکی کی بہن کہا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔لب ولہجہ ایک ہے،حروف ایک ہیں تاہم رسم الخط مختلف ہے۔یہ دونوں دراوڑی گروہ کی معتبر زبانیں ہیں۔سرائیکی اور پنجابی صوبہ پنجاب کی دو بڑی زبانیں ہیں سرائیکی زبان کی یہ سب سے قریبی ہمسایہ زبان ہے۔عربی، فارسی اور پاکستان کی دیگر علاقائی زبانوں سے تعلق کی بناء پر اس پر کئی زبانوں کے اثرات موجود ہیں۔سرائیکی زبان کا اردو سے گہرا تعلق ہے۔اسی بناء پر سرائیکی کو''اُردو کی ماں'' کہا جاتا ہے۔

اسی طرح بلوچ قوم کی ایک بڑی تعداد سرائیکی علاقے میں آباد ہے۔صوبہ بلوچستان کی سرحدوں پر بسنے والے لوگ سرائیکی اور بلوچی دونوں زبانیں بولتے ہیں اس لیے یہ زبانیں ایک دوسرے پر اثرات رکھتی ہیں۔

سرائیکی دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے۔اس کا ایک نام ملتانی بھی ہے۔سرائیکی زبان کا مرکزی مقام ملتان ہے۔مہاراجہ ہر کناشپ کے حالات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ شہر طوفان نوح کے وقت بھی موجود تھا۔

سرائیکی زبان ایک بہت بڑی ادبی ورثے کی مالک ہے۔ہر صنف ہر نوع پر ہر قسم کا قدیم اور جدید ادب موجود ہے۔نظم ہو یا نثر ہر صنف میں قابل قدر کام ہوا ہے۔اس میں دینی ادب،شاعری،لسانیات،افسانہ،ڈرامہ،خاکہ،انشائیہ،ناول،تحقیق،تنقید،تاریخ،ثقافت،نثری ادب،سیاسی ادب، لوک ادب،فریدیات،مشاعرے اور صحافت کے حوالے سے بیش بہا خزانہ موجود ہے۔

اس زبان کا علمی وادبی ذخیرہ صدیوں پر محیط ہے پہلے یہ ذخیرے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔طباعت کی سہولتیں آنے کے بعد یہ ذخیرہ محفوظ کرلیا گیا۔اکادمی ادبیات پاکستان کے مطابق "پاکستان میں سب سے زیادہ کتب سرائیکی زبان میں شائع ہورہی ہیں"

سرائیکی زبان کے منظوم ادب پر نظر ڈالیں تو ایک بحر بیکراں ہے۔سرائیکی شاعری میں غزل اور نظم جدید دور کے سرائیکی ادب کی نمائندگی کرتی ہیں۔

سرائیکی منظوم لوک داستانوں کے حوالے سے سرائیکی ادب میں گراں قدر سرمایہ موجود ہے۔ان میں ہیر رانجھا،سسی پنوں،مرزا صاحباں،سوہنی

مہینوال،سیف الملوک سمی،لیلیٰ مجنوں،یوسف زلیخا شامل ہیں۔سرائیکی لوک گیتوں پرنظرڈالیں توایک بہت بڑاذخیرہ ہےان میں شادی بیاہ کےسرائیکی لوک گیت،بچوں کے گیت،کھیلوں کے گیت اورفصلوں کے گیت شامل ہیں۔دوہڑہ،قطعہ،ہائیکواورسرائیکوکا بیش بہاخزانہ بھی موجود ہے۔

سرائیکی زبان میں دوسری زبانوں سےمختلف اصناف میں تراجم بھی ہوئے ہیں۔شاعری کےحوالے سےعمرخیام کی رباعیات،مرزاغالب کی غزلوں کے اور علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے کلام کے سرائیکی تراجم شائع ہوئے ہیں۔دنیا کے بہترین افسانوں کے سرائیکی تراجم بھی ہوئے۔اسی طرح اُردو،انگریزی ڈراموں اورناولوں کےسرائیکی تراجم بھی زیورطباعت سےآراستہ ہوئے ہیں۔

سرائیکی علاقے میں صحافت کی تاریخ

یہ ایک بہت بڑاموضوع ہےاوراس کیلئے وسیع تحقیق کی ضرورت ہے،اگرہم موضوع کو پورےعلاقے تک نہ پھیلائیں صرف سرائیکی علاقے کےمرکز ملتان کوفوکس کریں تو آپ کو یہ پڑھ کرحیرانی ہوگی ہے کہ معروف سیاح البیرونی جوکئی سال ملتان میں رہا اپنی کتاب ''مالہند'' میں یہ بھی لکھتا ہے کہ ملتان بہت قدیم شہر ہے۔وہ لکھتا ہے کہ میرے ملتان میں قیام کے دوران وہاں کے باشندے ملتان کو دولاکھ سولہ ہزار چارسوتیس سال پرانا بتاتے تھے۔مزید برآں دنیا کی قدیم ترین کتب رگ وید(آٹھ ہزارقبل مسیح)دریائے سندھ کےکنارے سرائیکی علاقے میں تصنیف ہوئی۔

سرائیکی علاقہ ہمیشہ حملہ آوروں کی زدمیں رہا،اس کے باوجودہمیں صحافت کےحوالے سےکہیں کہیں دھندلے سےنقش مل جاتے ہیں۔ملتان سے۱۸۵۲ء میں ایک اخبار''ریاض نور'' کے نام سے شائع ہوا۔یہ فارسی اوراردواخبارتھالیکن اس میں سرائیکی منظومات بھی شائع ہوتی تھیں۔اس کے ایڈیٹرمنشی مہدی حسن تھے۔سچ لکھنے کےگناہ میں ان کےاخبارکو بندبھی کیا گیااورسات سال قید کی سزابھی ہوئی،ہم کہہ سکتے ہیں کہ انگریز کے دور میں بھی سرائیکی علاقوں کےصحافی سچ لکھنے کاارادہ رکھتے تھےاورقیدوبندکی صعوبتیں برداشت کرنے کیلئے بھی تیار تھے۔اخبار''شعاع شمس''۱۸۵۳ء میں ملتان سے شروع ہوااس کےایڈیٹرفقیرغلام نصیرالدین بہاولپوری تھے۔اس میں انگریزی،فارسی اورسرائیکی میں تحریریں شائع ہوتی تھیں۔مگر یہ اخبار اردو میں تھا۔

۱۸۷۹ء میں ہفتہ واراخبارنو بہارمحلّہ کڑی افغاناں لوہاری دروازہ ملتان سے شائع ہوتا تھااس کے مالک منشی محمد حسین اور مدیرامین الدین تھے۔ یہاں سے یکم اگست۱۸۸۴ء میں ایک اخبار''دانش مند'' کے نام سےشروع ہوامدیراعلیٰ پنڈت راج ناتھ اورایڈیٹرمحمد دین تھےاس میں ہندی اردواورسرائیکی منظومات شائع ہوتی تھیں۔

۱۹۲۲ء میں ملتان سےاسدملتانی نےہفت روزہ الشمس شروع کیا،اس میں سرائیکی تحریریں شائع ہوتی تھیں۱۹۲۴ء میں محمداکرم خان نےشمس شائع کیا۔اسی سال کشفی ملتانی نے روشنی شائع کیا۔ناطق جالندھری نے۱۹۳۰ء میں غلستان ملتان شائع کیا۔انہی سالوں میں لالہ بالکش بترانے اقبال اوردیاپرکاش المعروف سرورتونسوی نے ''شان ہند'' شائع کیا۔

۱۹۳۰ء سے۱۹۴۰ء تک جو اخبارات شائع ہوتے رہے ان میں "اسلام"(واحدبخش ندوی ایڈیٹر)"ترجمان"(پیرزین العابدین) "استقلال"(کریم داداویسی)"آفتاب"(ولایت حسین بخاری)"صادق"(خلیفہ ممتازحسین)"زمزم"(کریم بخش بےدھڑک)"طوفان"(غلام علی شمسی)"زلزلہ"(نذرحسین نذر)"ساقی"(مولوی خیرالدین)"نمائندہ"(عبدالکریم قاصف)"ہمدرد"(منظوراحمد احقر)"سعادت"(سیفی

لائلپوری)"خادم اسلام"(مہر حسین شاہ)"ندائے اسلام"(الٰہی بخش)"ستارہ اسلام"(وزیر بخش)"مجاہد اسلام"(منشی عبدالرحمٰن خان)"نوائے امروز"(نذر حسین نذر)"نیو لائٹ"(فروز احمد غوری)"وارڈن"(عمر حیات پروانہ)،(دیوان ایشوردت)"ڈنڈا"(سیوارام مستانہ)"ہنٹر"(ہنس راج نانگیہ)"حقیقت"(سکھانند چوپڑاہ)"مسافر"(رائے ہمت رائے وکیل)"ہندو درد"پنڈت رکھناتھ رائے)" گھن چکر"(دوداس گاندھی)"ویر کیسری"(پنڈت شورت رنگا)"ویر پرتاب"(سیوارام مستانہ)"دیش بھگت"(منشی ہاڑی لال وکیل) اور "پیس"(رگھناتھ رائے) شامل ہیں۔ان اخبارات میں سے ہفت روزہ "بیدار" نوجوان کا نمائندہ تھا۔دیش بھگت کانگریس کا نقیب تھا۔اقبال کی نوعیت ادبی تھی جبکہ "پیس" ایک انگریزی تبلیغی اخبار تھا جو افریقہ، ملایا، برما اور جاپان تک جاتا تھا۔۱۹۳۰ء کی دہائی میں مولانا نور احمد خان نے "صداقت" نکالا۔علاوہ ازیں محبوب احمد اویسی نے محسن نکالا تھا۔

سرائیکی صحافت کیوں پروان نہ چڑھ سکی، اس کی وجہ سرائیکی سوچ کی اسیری بھی ہے۔اگر سرائیکی صحافت نے اسیری سے آزادی تک کی منزل حاصل کرنی ہے تو پھر اسے زیادہ دور نہیں تو کم از کم صحافت کے حوالے سے تاریخ ہند کا مطالعہ کرنا ہوگا۔انگریز سامراج کے خلاف جب تحریک آزادی چل رہی تھی تو اس وقت لفظ ''آزادی'' کو بہت نام اور شہرت ملی اس وقت آزاد نام سے متعدد اخبارات اور جرائد شائع ہوئے، ماہنامہ "آزاد" لاہور، ہفت روزہ "آزاد" کلکتہ۔یہ اخبار بنگالی زبان میں شائع ہوتا تھا اور اس کی بے حد زیادہ اشاعت تھی۔یہ اخبار مولانا اکرم خان نے ۱۹۳۶ء میں شروع کیا۔یہ اخبار آزادی ہند کے ساتھ ساتھ آزاد پاکستان کا بھی ترجمان تھا۔

پاکستان قائم ہوا تو مولانا اکرم خان کلکتہ سے ڈھاکہ چلے گئے اور وہیں سے اخبار جاری کیا۔مگر اشتہارات اور وسائل پر کنٹرول مغربی پاکستان کا تھا۔اس وجہ سے آزاد کے ایڈیٹر محمد اکرم خاں کے ساتھ ان کے اخبار کی مالی حالت بھی خراب رہنے لگی، مولانا محمد اکرم آزاد کے اخبار کو بنگالی ہونے کی سزا ملی اور ۱۹۶۸ء میں مولانا اکرم خاں کسمپرسی کی حالت میں فوت ہوئے۔آج سرائیکی صحافت کے لئے اس طرح کے آزادی کے جذبے کی ضرورت ہے۔
قیام پاکستان کے بعد لالہ سرور تونسوی انڈیا چلے گئے تو وہاں بھی وہ یہ رسالہ شائع کرتے رہے اور اس میں سرائیکی تحریریں شائع ہوتی رہیں کیوں کہ وہ خود سرائیکی کے بہت بڑے ادیب اور شاعر تھے۔

۱۹۷۲ء میں پنج اور چناب کے نام سے رسالے شائع ہوئے۔اسی سال سرائیکی اور اردو زبان کے معروف شاعر خلیق ملتانی کی سرائیکی نظم ''لالہ خدا گواہ ہے، لنڈھاں دے نال واہے'' ہندو پاک میں مشہور ہوئی، ایک کتاب "سرائیکی سماج تے میڈیا" میں سرائیکی صحافت کے پس منظر کا کچھ یوں ذکر ہوا ہے۔

''روہی رنگ'' کے نام سے خانپور میں ۱۹۸۰ء کے عشرے میں رسالہ شائع ہوتا رہا۔سرائیکی کے باقاعدہ اخبارات کی اشاعت سے پہلے مختلف اُردو روزناموں میں سرائیکی صفحات وغیرہ بھی شائع ہوتے رہے۔جیسے روزنامہ "رہبر" اور روزنامہ "تکمیل"۔۱۹۸۳ء میں عباس ملک صاحب بھی اسکو ترتیب دیتے رہے۔روزنامہ ''امروز'' ملتان /لاہور کی ادبی اشاعت میں ''روہی روپ'' کے نام سے۔اس طرح کے سرائیکی ادبی صفحات روزنامہ ''انقلاب'' کراچی (رحیم طلب) روزنامہ ''پارس'' بہاولپور، روزنامہ ''دستور'' بہاولپور، روزنامہ ''رہبر'' بہاولپور، روزنامہ ''ستلج'' بہاولپور،

روزنامہ ''قومی آواز'' ملتان ۱۹۸۸ء تا ۱۹۸۹ء میں سرائیکی لوک ورثہ کے نام سے سرائیکی ادبی صفحہ شائع ہوتا رہا۔

روزنامہ ''نوائے وقت'' نے بھی صحافتی ضرورتوں کے پیش نظر ہفتہ وار صفحہ ''روہی رنگ'' شائع کیا۔ عارف معین بلے اسے ترتیب دیتے رہے اب سلیم ناز اسے اہتمام اور باقاعدگی سے شائع کر رہے ہیں۔ ۱۹۹۷ء سے روزنامہ "خبریں" نے ملتان سے اپنی اشاعت شروع کی ۲۰۰۰ء سے سرائیکی قومیتی شعور کی بڑھتی ہوئی تحریک کے لئے روزنامہ "خبریں"، "جنگ"، "پاکستان" اور "اوصاف" بھی رنگین صفحات سرائیکی ادب، تہذیب، ثقافت کے نام سے شائع کرنے شروع کر دیے، اسی طرح کے ادبی تہذیبی، ثقافتی صفحات کی وجہ سے سرائیکی تخلیق کاروں، فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو فن کے اظہار کے مواقع ملنے لگے۔ اُردو اخبار جنہوں نے سرائیکی خطے کے تہذیبی، سماجی، سیاسی، ثقافتی اور ادبی تناظر کے حوالے سے خلق خدا کے مسائل بارے لکھے اور شائع کیے عوامی سطح پر اُن اخبارات کے پڑھے جانے میں اضافہ ہوا۔

۲۰۰۲ء میں روزنامہ ''اوصاف'' نے پھر ''روزنامہ ایکسپریس'' اور اُس کے بعد روزنامہ ''جنگ'' نے اپنی اشاعت کا اہتمام کیا۔ اسی طرح روزنامہ ''پاکستان'' کا ہفتہ وار سرائیکی صفحہ "وسیب رنگ" شائع ہوتا ہے، دوسرے اخبارات میں بھی سرائیکی تحریریں شائع ہو رہی ہیں تاہم روزنامہ ''خبریں'' کو سرائیکی خطے کے مسائل کو موثر انداز میں بیان کرنے کی وجہ سے زیادہ اپنائیت ملی اور اب تک خبریں سرائیکی علاقے کے بڑے روزنامے کے طور پر شائع ہو رہا ہے۔ روزنامہ ''خبریں'' ''وسیب سنگ'' کے ساتھ ساتھ ہفتہ وار سرائیکی ادبی ایڈیشن بھی شائع کرتا ہے۔ یہ سرائیکی زبان میں ہوتا ہے۔ خبریں میں پروفیسر شوکت مغل کا کالم "آؤ سرائیکی لکھوں تے سرائیکی پڑھوں" طویل عرصے تک شائع ہوتا رہا۔

سرائیکی پرنٹ میڈیا کے فروغ میں ہفت روزہ اخبارات کا اجراء ہوا۔ ان ہفت روزوں میں ''جاگ'' احمد پور شرقیہ سے، "سرائیکی آواز" خان پور سے، "سرائیکی وسیب" بہاولپور سے شائع ہوتے رہے۔ اُردو ہفت روزے جن میں سرائیکی صفحات بھی شامل تھے اُن میں ''ہفت روزہ الاستاذ'' خان پور سے، ''ہفت روزہ الشّمس'' ملتان سے، ''ہفت روزہ الہام'' بہاولپور سے، ''ہفت روزہ انصاف'' بہاولپور سے، ''ہفت روزہ تھل ٹائمز'' بھکر سے، ''ہفت روزہ جلوس'' مظفر گڑھ سے، ''ہفت روزہ شان وطن'' رحیم یار خان سے، ''ہفت روزہ صدائے عوام'' خانپور سے، ''ہفت روزہ صدائے مخدوم'' مظفر گڑھ سے، ''ہفت روزہ المنظور'' تونسہ سے، ''ہفت روزہ بلال'' ڈیرہ غازی خان سے، ''ہفت روزہ کلیم'' ملتان سے، ''ہفت روزہ ندائے سیال'' کوٹ ادو سے، ''ہفت روزہ نوائے احمد پور شرقیہ یاور'' احمد پور شرقیہ سے اور ''ہفت روزہ کوک'' کراچی سے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے شہروں میں ایسے ہی ہفت روزہ اخبارات شائع ہوتے رہے۔ کچھ مالی حالات ناگزیر ہونے کی وجہ سے یہ بند ہو گئے۔ یہ ہفت روزہ اخبارات سرائیکی صحافت کے موہری ستارے ہیں جنہوں نے بہت سے لکھاریوں، تخلیق کاروں اور شاعروں کو نمایاں کیا، اُن کی حوصلہ افزائی کی۔ جب تک معلومات کے ذرائع محدود تھے تب تک یہ ہفت روزہ اخبارات غنیمت ہوتے تھے۔

سرائیکی ماہنامے جن میں سے ''اوتا'' ڈیرہ غازی خان سے، ''روہی'' کراچی سے، ''پریت'' بہاولپور سے، ''پینگھ'' جام پور سے، ''تانگھ'' ڈیرہ غازی خان سے، ''تشویش'' ڈیرہ غازی خان سے، ''عصائے کلیم'' مٹھن کوٹ سے، ''سرائیکی ادب'' ملتان سے، ''سمل'' احمد پور شرقیہ سے، ''سنگھار'' ڈیرہ غازی خان سے، ''سنہیڑا'' بہاولپور سے، ''سوجھلا'' رحیم یار خان سے، ''فرید رنگ'' ڈیرہ غازی خان سے، ''معاشرہ'' بہاولپور سے، ''

سچار'' کراچی سے،''سوجھلا'' بھٹہ واہن سے،''رواہی رنگ'' خانپور سے،''ملت'' ڈیرہ غازی خان سے،''وسیب'' ڈیرہ غازی خان سے،اوران جیسے بہت سارے شہروں سے ادبی ماہنامے سرائیکی صحافت خاص طور پر ادبی دوڑ کو تیزی سے آگے بڑھاتے رہے۔کچھ ماہنامے شائع ہوتے اور بند ہوتے رہے اور کچھ ابھی تک اپنا قابل تحسین کردار ادا کر رہے ہیں۔جاری رہنے والے ادبی ماہناموں میں سرائیکی ادب کے''سمل''میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ اُن ادبی شماروں میں سے کچھ نے مجلّے کی شکل اختیار کی یعنی مخصوص وقفے کے بعد دکھائی دیے جیسے کہ''سجان''اسلام آباد سے،''جیون جوگ''ملتان سے اور''سہ ماہی سرائیکی''بہاولپور سے،ان خوبصورت راہوں میں سرائیکی ادبی تحریک میں نیا ادبی مواد اور نئے رجحانات سامنے آئے۔

سہ ماہی وششماہی اور سالانہ ادبی رسائل اور جرائد میں سے''سہ ماہی سرائیکی''بہاولپور سے،''سنجان''اسلام آباد سے،''بانگ''بہاولپور سے،''پڑچول'' میانوالی سے،''پیت پریت''لیہ سے،''روہی رنگ''خانپور سے،''سچار''کراچی سے،''سدھ سار''کراچی سے،''سُرت'' لیہ سے، ''سنداری'' ڈیرہ غازی خان سے،''سنیہڑا''احمد پور شرقیہ سے،''سنیہڑا'' بہاولپور سے،''سنیہا''کوٹ قیصرانی سے،''سوجھلا''بھٹہ واہن سے،''سوچاں''رسول پور سے، ''گلدستہ سرائیکی'' ڈیرہ غازی خان سے،''محرم راز''خان پور سے،''وسیب''احمد پور شرقیہ سے،''مجلّہ سویل''بہاولپور سے،''وسوں ویڑھے شادن لُنڈ'' ڈیرہ غازی خان سے،''جیون جوگ''ملتان سے،جیسے ہفت روزہ اخباری ماہنامے ادبی مواد شائع کر کے سرائیکی تحریک میں اپنا حصہ ڈالتے رہے ویسے ہی سہ ماہی اور وششماہی اور رسالنامے سرائیکی ادب کو ترقی پذیر بنانے کے لئے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔حالانکہ ان شماروں کو پڑھنے والا ایک مخصوص طبقہ ہے ان شماروں نے سرائیکی ادب اور سماج میں تبدیلی کی لہر کو متعارف ضرور کرایا۔

سرائیکی صحافت۔درپیش مسائل

سرائیکی صحافت کے درپیش مسائل میں سے ابلاغ کا ایک بہت بڑا مسئلہ اپنی زبان کے ساتھ جڑے نہ ہونے کا ہے۔جس میں مضبوطی ابھی تک نہیں آسکی۔کیوں کہ سرائیکی زبان ابتدائی پرائمری اور کالج سطح تک نہیں پہنچی۔سرائیکی صحافت کے زیادہ ترقی نہ کرنے کی ایک وجہ اخبار، رسالہ، میگزین خرید کر نہ پڑھنے کی عادت بھی ہے۔یہی وجہ یعنی وسائل کی کمی سرائیکی صحافت کی حوصلہ شکنی کا سبب ہے دوسرا حکومتی سطح یا تجارتی ادارے اشتہارات کی تقسیم میں بڑھ چڑھ کر اخبارات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔آئے دن اخباری کاغذ کی بڑھتی ہوئی قیمت اور پرنٹنگ کے بڑھتے ہوئے اخراجات بھی سرائیکی صحافت کے فروغ میں رکاوٹ ڈالے ہوئے ہیں۔جیسے کہ ہر اخبار کا اپنا حلقہء اثر اور اس کے اپنے قارئین ہوتے ہیں۔اور اخبار اپنے پسندیدہ لوگوں،انجمنوں،اداروں کی دلچسپی کی خبریں،اطلاعات کو بروقت چھاپنے اور اس کے علاوہ سرائیکی خطے کی صحافت کا یہ پہلو بھی بہت کمزور ہے کہ ابھی تک سرائیکی قوم اور اداروں میں سرائیکی زبان کی محبت کا شعور پروان نہیں چڑھ سکا۔سندھی صحافت کو اس لئے فروغ ملا کہ ان کی تعلیم سندھی میں تھی اور ان کی سندھی قومیت کا شعور آسمان کی بلندیوں کو چھوتا نظر آتا ہے۔ہر اخبار کا اپنا تہذیبی،ثقافتی اور سماجی مزاج ہوتا ہے۔لوگوں کا مزاج ابھی تک سرائیکی ذائقے والا نہیں بن سکا۔سرائیکی علاقوں کے سیاستدان ہمیشہ برسر اقتدار رہے لیکن انہوں نے سرائیکی زبان اور سرائیکی صحافت پر توجہ نہ دی، بہر حال سرائیکی صحافت بہت ساری مشکلات اور وسائل نہ ہونے کے باوجود ایک مقصد اور مشن پر ہے۔سرائیکی صحافت اس وقت زیادہ مضبوط ہوگی جب سرائیکی زبان کو سکولوں میں سندھی کی طرح ابتدائی تعلیم کا حصہ بنا دیا جائے گا۔

رسم الخط کا ذکر آیا ہے تو سرائیکی زبان اور سرائیکی صحافت کیلئے رسم الخط اہم مسئلہ رہا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ سندھی رسم الخط اور سندھی حروف تہجی اپنا لیے جائیں، سرائیکی زبان سے تعلق رکھنے والوں نے مخالفت کی کہ آج پنجابی والے سرائیکی کو لہجہ کہتے ہیں کل سندھی والے بھی یہی کہیں گے۔ اس وجہ سے پانچ اضافی سرائیکی حروف کے ساتھ نسخ اور تعلیق کے ملاپ سے رسم الخط ''نستعلیق'' جو عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو وغیرہ کی طرف آیا اختیار کیا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ رسم الخط اُردو کی ضروریات تو شاید پوری کر رہا ہو کہ وہ دوسری زبانوں کا ملغوبہ ''لشکری'' زبان ہے لیکن سرائیکی جو ایک قدیم اور پوری وادی سندھ کی اصل ہے، کی ضروریات اس رسم الخط سے پوری نہیں ہوسکتیں، اس کا اپنا رسم الخط ہونا چاہیے۔

مسئلے کا حل کیا ہے؟

مسئلے کے حل کے حوالے سے بات صرف سرائیکی پرنٹ کے ساتھ سابقہ تمام زبانوں کے میڈیا کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ مسئلے کے حل کیلئے بات کو وسیع تناظر اور وسیع تر مفہوم میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

پاکستان میں گذشتہ ادوار میں دیگر حلقوں کی طرح صحافت کو بھی آمریت کے عتاب کا سامنا رہا، لیکن تمام تر مشکلات کے باوجود بھی اہل صحافت نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور اسی جدوجہد کی بناء پر اخباری معرفت کو معاشرے میں باعزت مقام حاصل ہوا، لیکن بعض دفعہ چھوٹی سی کوتاہی بھی طویل جدوجہد کے بعد حاصل کئے جانے والے ثمرات کو زائل کر دیتی ہے۔ گذشتہ دہائی میں پاکستان میں آزاد میڈیا کی وجہ سے صحافت کو مزید فروغ ملا اور میڈیا کا حلقہ اثر آبادی کے وسیع حصوں تک پھیل گیا۔ میڈیا سے متعلق ادارے سیاسی، سماجی اور معاشرتی مسائل پر رپورٹس عوام تک پہنچا رہے ہیں۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو میڈیا عوام تک حقائق پہنچانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ لیکن موجودہ صورتحال میں میڈیا کے منفی پہلو بھی سامنے آ رہے ہیں، جن کی نشاندہی اور سدباب کرنا ضروری ہے۔

سرائیکی میڈیا نے تو ابھی اتنی ترقی نہیں کی لیکن اُردو میڈیا کی ترقی کے ساتھ ساتھ آج میڈیا کو چند مسائل کا بھی سامنا ہے۔ جس میں معیاری زبان و بیان کا نہ ہونا، سنسنی خیزی، مبالغہ آرائی اور ایجنڈہ صحافت شامل ہے۔ تجربوں اور تبصروں میں انکشافات کے ذرائع کی تصدیق نہیں کی جاتی یا پھر سرے سے ان خبروں کا کوئی جواز ہی نہیں ہوتا۔ اب صحافت کے شعبے میں بعض ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو صحافتی اقدار اور ضابطہ اخلاق سے واقف نہیں ہیں اور ایک دکان دار کی طرح اپنی خبر بیچنے کے لئے ہر حربہ آزماتے ہیں اور گاہک کو متوجہ کرنے کے لئے مبالغہ آرائی اور سنسنی خیزی سے کام لیتے ہیں۔

میں نے سرائیکی صحافت میں قدم رکھا تو وقت اور حالات کے استاد نے یہ سبق دیا کہ میڈیا میں بڑھتی ہوئی مبالغہ آرائی کی وجہ سے معاشرے میں بے چینی پیدا ہو رہی ہے۔ بعض دفعہ میڈیا کسی ایک موضوع کو ہی ٹارگٹ بنا لیتا ہے، جس کی وجہ سے دیگر اہم معاملات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ تحقیق مطالعہ، مشاہدے اور تربیت کا فقدان فنی ناپختگی کا باعث بنتا ہے۔ میڈیا کے بعض حصوں میں زرد صحافت کی ترویج کی وجہ غیر تربیت یافتہ صحافی اور ٹی وی چینل کے میزبان ہیں، جو ملک کی صورتحال کو انتہائی گھمبیر بنا کر عوام کے سامنے پیش کر رہے ہیں، ان عناصر کے اس غیر ذمہ دارانہ رویے سے

پاکستانی معاشرے میں عدم برداشت اور نفسیاتی الجھنیں جنم لے رہی ہیں۔

میڈیا کو کسی بھی خبر میں کسی قسم کا تعصب یا جانبداری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ واقعات کو بے لاگ انداز میں پیش کرنا چاہیے۔ رپورٹر کو خبر میں اپنی ذاتی پسند، ناپسند اور رائے کے اظہار کا حق نہیں ہونا چاہیے۔ جمہوری نظام حکومت میں میڈیا کو آزادی حاصل ہے اور عوام کی نگاہ میں میڈیا معتبر ہے، لہٰذا میڈیا کی ادنیٰ سی لرزش یا معمولی سی غیر ذمہ داری ملک میں تشدد، افراتفری، بدامنی اور ہنگامہ آرائی کا دور دورہ کر سکتی ہے، اور آزادی صحافت کے ساتھ ساتھ جمہوریت کی بساط لپیٹنے کا باعث بھی بن سکتی ہے، چنانچہ اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ کو محتاط اور ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ میڈیا کو ذاتی یا گروہی یا علاقائی مفاد کی جگہ وسیع تر قومی مفاد پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ہاں! البتہ ہم نے یہ کام کیا کہ سرائیکی حقوق کے حوالے سے اُردو اخبارات جو خبر سنگل کالم میں چھاپتے تھے ہم نے اس کو لیڈ بنایا اور شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا، اداریے، مضامین، کالم وغیرہ نہ صرف سرائیکی بلکہ سرائیکی کے حق میں چھاپنے کی بھرمار کی۔

الیکٹرانک میڈیا کے آنے سے طرح طرح کے مسائل پیدا ہوئے، اُردو کے ساتھ پاکستانی زبانوں سندھی، پنجابی، پشتو، بلوچی خصوصاً سرائیکی زبان کے تین چینلز کام کر رہے ہیں۔ اس صورتحال کا تقاضا ہے کہ میڈیا سے متعلق تنظیمیں خود ایک متفقہ ضابطہ اخلاق وضع کریں اور اس پر سختی سے کاربند ہوں، تاکہ ملک میں میڈیا کے کردار کو مثبت راہ پر لایا جائے۔ سرائیکی خطے میں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی تقریب رونمائی ابھی کی بات ہے۔ الیکٹرانک میڈیا میں ریڈیو پاکستان ملتان، بہاولپور اور ڈیرہ اسماعیل خان ۱۹۷۰ء سے اپنی نشریات سرائیکی میں دے رہے ہیں۔ اب بہت سے ایف ایم ریڈیو پورے علاقے میں سرائیکی نشریات دے رہے ہیں۔ تین سرائیکی ٹی وی چینل بھی چوبیس گھنٹے سرائیکی نشریات دے رہے ہیں۔

سرائیکی اور دوسرے چھوٹے اخبارات کی بقاء

دوسرے علاقائی اخبارات کے ساتھ سرائیکی اخبار ''جھوک'' کو بھی اپنی بقاء کا سامنا ہے۔ حکومت جو کہ اشتہارات کو بطور ہتھیار استعمال کرتی ہے اس نے بڑے اخبارات کو راضی رکھنے کے لئے ہمیشہ ان کے حصہ سے وافر کوٹہ عنایت کیا۔ بڑے اخبارات مقامی اخباروں کا بمشکل ایک فیصد ہوں گے لیکن ان کا کوٹہ ۷۵ فیصد اور ۹۹ فیصد کیلئے صرف ۲۵ فیصد ہے لیکن اس کی بھی کبھی منصفانہ تقسیم نہیں ہوئی۔ ان کی بولی لگتی ہے، بڑے خریدار آدھے سے زائد خرید لیتے ہیں باقی آدھا منتوں اور سفارشوں کے ہاں چلا جاتا ہے۔ انہی مسائل کا سب کو سامنا ہے سرائیکی اخبارات کے درجنوں ڈیکلریشن سرکار کی معاشی تلوار کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

سرائیکی کا موجودہ اخبار

- روزنامہ جھوک

واحد سرائیکی اخبار "جھوک"

روزنامہ جھوک" کے بارے میں معروف صحافی جناب مسیح اللہ خان جام پوری لکھتے ہیں کہ خان پور سے پہلا سرائیکی اخبار روزنامہ "جھوک" ۱۱ جون ۱۹۹۰ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔ جھوک کا دوسرا ایڈیشن ۱۷ نومبر ۱۹۹۴ء کو ملتان سے بھی شروع ہو گیا۔

اس طرح ڈیرہ اسماعیل خان سے اور کراچی سے بھی یہ اخبار شروع ہوا۔ اس دوران حکومت خصوصاً حکومت پنجاب جو کہ اب تک لفظ سرائیکی کو بھی گوارا یا برداشت نہیں کرتی۔ سرائیکی اخبار "جھوک" کے خلاف انتقامی کارروائیاں شروع کر دیں۔ پہلے "جھوک" ملتان و خانپور کے اشتہار بند کیے گئے بعد میں حکومت پنجاب نے "جھوک" کے چیف ایڈیٹر ظہور احمد دھریجہ کے خلاف غداری اور بغاوت کا مقدمہ قائم کروا دیا۔ جس کا کیس ہائی کورٹ تک چلا اور ظہور دھریجہ اس سے بے قصور ٹھہرے۔ بعد میں ایک مرتبہ حکومت پنجاب نے روزنامہ "جھوک" ملتان کا ڈیکلریشن بھی کینسل کر دیا اور مختلف حوالوں سے اخبار کی پالیسی جو کہ سرائیکی علاقے کے حق میں ہے، اثر انداز ہونے کی کوشش کی جاتی رہی اور مختلف حوالوں سے دھمکایا بھی جاتا رہا۔ اور اب بھی انتقامی کاروائیوں کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اس کے باوجود ظہور احمد دھریجہ کی پہاڑ جیسی استقامت کے آگے حکومتی انتقامی کاروائیاں اور رکاوٹیں ریت کی دیوار ثابت ہوئی ہیں اور " جھوک" کا سفر کامیابی سے جاری ہے۔ روزنامہ "جھوک" کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ یہ اخبار ہندوستان کے شہر دہلی میں پہلی انٹرنیشنل سرائیکی کانفرنس (منعقدہ ۱۹۹۲ء) کے انعقاد کا موجب بنا۔ اس وقت کانفرنس کے تمام حاضرین یہ سن کر حیران رہ گئے کہ جب کانفرنس کے میزبان ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور بیرسٹر جگدیش بترا نے اعلان کیا کہ پہلا "ڈینھوار جھوک" سرائیکی جب ہمارے پاس آیا تو ہم اسے دیکھ کر خوشی سے بے کل ہو گئے اور دیوانہ وار اس اخبار کی فوٹو کاپیاں کروا کر مختلف جگہوں پر رہنے والے سرائیکی ''پریواروں'' کو بھجواتے رہے اور خوشی سے ایک دوسرے کو بتاتے کہ جو زبان ہم بول رہے ہیں وہ اتنی ترقی کر چکی ہے کہ خانپور سے اس کا "ڈینھوار جھوک" اخبار آ گیا ہے۔ اب آج کی جو کانفرنس ہو رہی ہے تو ہمیں یہ کہتے ہوئے یہ خوشی ہو رہی ہے کہ "ڈینھوار جھوک" کے جگانے کی وجہ سے ہم نے انٹرنیشنل سرائیکی کانفرنس، انٹرنیشنل سرائیکی میگزین اور انٹرنیشنل سرائیکی ادبی تنظیم، سرائیکی ساہتیہ سنگم کی بنیاد رکھنے کے قابل ہوئے۔ "جھوک" کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ "جھوک" ۱۹۹۲ء میں جھوک سرائیکی میلے سے لے کر آج تک نہ صرف سرائیکی علاقے بلکہ اسلام آباد اور کراچی تک سینکڑوں کی تعداد میں جھوک سرائیکی میلے منعقد ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ سارا سال جاری رہتا ہے۔

"جھوک" کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سرائیکی زبان کی ترقی اور ترویج کے لیے ایک ذیلی اشاعتی ادارہ ''جھوک پبلشرز'' کے نام سے شروع کیا۔ اس ادارے نے سرائیکی لسانیات، سرائیکی ادب، سرائیکی تاریخ، سرائیکی جغرافیہ، سرائیکی کلچر اور سرائیکی بول چال کے حوالے سے ہزاروں کتابیں شائع کی ہیں۔ یہ واحد ادارہ ہے جسے گورنمنٹ، سرمایہ دار یا جاگیردار سے کوئی گرانٹ نہیں ملتی۔ اس کے باوجود یہ ادارہ آج سرائیکی علاقے کا واحد ادارہ ہے جو ان سرکاری اداروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ سرائیکی کتابیں شائع کر رہا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دوسرے تمام اداروں کے ایک سال میں شائع ہونیوالی کتابیں اکٹھی کر دی جائیں تو ''جھوک پبلشرز'' کی ایک سال میں شائع ہونے والی کتابیں ان سے بڑھ جائیں گی۔ آج یہ ادارہ پورے سرائیکی علاقے کی آنکھوں کا تارا بن چکا ہے اور اس ادارے میں کام کرنے والے تمام سٹاف ممبروں کی شب و روز محنت اور سعی کے باعث سرائیکی طباعت و اشاعت کا کام بہت تیزی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ "جھوک" کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ یہ پورے سرائیکی علاقے کا مرکز بن چکا ہے۔ یہاں ادیب، شاعر، دانشور، ریسرچ سکالر اور سیاسی و سماجی شخصیات یہاں اکٹھی ہوتی ہیں اور یہ اپنے نام کی طرح سرائیکی قوم کی ایسی حقیقی جھوک ہے

جہاں آ کر پورے علاقے کے لوگ اپنی مادری زبان کی محبت کے حوالے سے راحت اور سکون حاصل کرتے ہیں۔ حالانکہ "جھوک" کی عمارت جھونپڑی نما ہے مگر اس کی شان محلات سے بڑھ کر ہے۔

"جھوک" کے چیف ایڈیٹر کا اس مشن کی کامیابی میں بہت بڑا ہاتھ ہے۔ چیف ایڈیٹر ظہور احمد دھریجہ ایک شخص نہیں، ایک ادارے اور ایک جماعت کا کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے سرائیکی مسئلے کو ایک نیا رخ اور نیا موڑ دیا ہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں ہوائی یا خالی فائر کرنے کی بجائے تحقیق اور ریسرچ سے کام لیا ہے اور اپنے دلائل کے حوالے سے نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی ادیبوں، شاعروں، دانشوروں اور ریسرچ سکالروں کے ساتھ ساتھ اور صاحب بصیرت سیاستدانوں کو سرائیکی مسئلے کی حقانیت کا قائل بنایا ہے۔ انہوں نے اپنے مضامین سے نہ صرف سرائیکی بولنے والے بلکہ پنجابی اور اُردو بولنے والے جو اپنے آپ کو سرائیکی مسئلے کا مخالف سمجھتے تھے، اتنی خوبصورتی اور اتنے پیارے انداز سے قائل کر کے اپنا ہمنوا اور ہم خیال بنا لیا ہے کہ پوری دنیا حیران ہے۔ اب یہاں جاگیردار سیاستدانوں کے مقابلے میں سرائیکی علاقے کا باشعور پنجابی اور مہاجر سرائیکی مسئلے کا زیادہ قائل نظر آتا ہے۔ ظہور احمد دھریجہ کے سینکڑوں مضامین جو قومی اخبارات کے ادارتی صفحات پر شائع ہوئے سرائیکی علاقوں کی تاریخ کا بہت بڑا حوالہ ہیں۔ ظہور احمد دھریجہ نے جو کچھ بھی لکھا سرائیکی علاقوں کی محرومیوں کے حوالے سے لکھا۔ آج ان مضامین کی کتابیں شائع ہو جائیں تو سرائیکی علاقوں میں انقلاب آ سکتا ہے۔ یہ تمام باتیں سرائیکی صحافت کا کریڈٹ اور اعزاز ہیں۔ یہ سرائیکی قلم کا اعزاز ہی ہے کہ جس نے کروڑوں انسانوں کی سوچ بدل دی۔

ادارے سے آگاہی

انڈ ویجوئل لینڈ پاکستان ایک متحرک، غیر جماعتی اور غیر منافع بخش رجسٹرڈ سول سوسائٹی ادارہ ہے۔اس کا بورڈ کل پانچ ارکان پر مشتمل ہے، جبکہ روزمرہ کے معاملات اس ادارے کے ڈائریکٹر کی ذمہ داری ہے۔ قیام سے لے کر آج تک اس ادارے نے حکومتی انتظامات، قانون کی بالادستی، میڈیا اور مراسلاتی، ہنر، سول سوسائٹی کے استحکام اور جمہوریت کی ترقی کے لئے کام کیا ہے۔

انڈ ویجوئل لینڈ نے واضح طور پر قانون دانوں اور دیگر سول سوسائٹی اداروں کے ساتھ مختلف حیثیتوں میں کام کیا ہے اور خصوصاً میڈیا سے تعلق رکھنے والے افراد کی تربیت کے حوالے سے اس کا نام پورے پاکستان میں جانا جاتا ہے۔